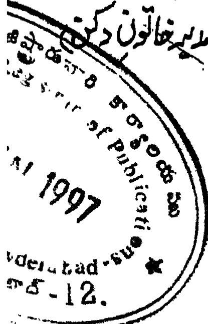
"یہ کتاب فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت
اُترپردیش (لکھنؤ) کے مالی تعاون سے
شائع ہوئی۔"

تاریخ وسنِ اشاعت ..... ۲۵ر ڈسمبر ۱۹۹۴ء
تعدادِ اشاعت ...... (۶۰۰)
کتابت .... شفیع اقبال
قیمت .... ۵۰ روپے
طباعت .... اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد ۲
ٹائیٹل پرنٹنگ .... اعجاز پرنٹنگ پریس۔ ” ”
ناشر .... صلاح الدین نیّر
ترتیب وتزئین ...... صالحہ الطاف (مدیرہ خاتون دکن)



:- مِلنے کے پتے -:

* حسامی بک ڈپو ــــ مچھلی کمان۔ حیدرآباد ۲ ـــ ۵۰۰۰۰۲

* مصنّف ــــ ۱۱ـ۳ـ۸۲۴/۷، نیو ملے پلی، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱

فون نمبر 228802

اِنتساب

اپنی ایک بے نام مُنہ بولی بہن . . . . کے نام
جس نے کبھی میرے لئے یہ نظم کہی تھی ــــــــ

سِلسلہ پھولوں کا

○

میرے بھیّا! آپ نے مجھے پردیس جاتے سمے
"گلِ تازہ" کے اُور جاتے سمے
پھولوں کے دیس جاتے سمے
کئی طرح کے پھولوں کا وردان دیا تھا

○

ایک انمول سی گھڑی گذر گئی
بھائی نے پیار سے لبریز
شفقت میں لپٹا ہوا بھاری ہاتھ
میرے سر پہ رکھا
میں نے یہ محسوس کیا تھا جیسے میرا سر بہت بلند ہو گیا ہے
میرے سر پہ جیسے قرآن رکھ دیا ہے۔ ایمان رکھ دیا ہے
اُسی سر کو بلند کرتے ہوئے آج میں عظمت کا [illegible]
جا رہی ہوں

○

میں ہوں ناہید سحر جس کی شب کبھی نہیں ہوتی
وہ تو حیران ہیں کہتے ہیں کیسے ؟

○

کہاں کھو گئے ایسے پیارے لوگ
کیا سے کیا ہو گئے ایسے پیارے لوگ
اب کہاں رہ گئے ایسے پیارے لوگ
جو پاس بھی ہیں اور پاس نہیں

○

جب پھولوں کے سلسلے کا نذرانہ ملا
دل بیٹھ سا گیا
اس کے ورق پر پھول تھے نہ کانٹے
نہ کلیاں نہ ٹہنیاں
کیا سے کیا ہو گیا
پھر بھی اک کڑی ایک سلسلہ سا تھا اور سلسلہ ہے
ہمیشہ رہے گا "گلِ تازہ" کی طرح بہن کے لئے !

●● ــــــــــــــــ

ترتیب و تزئین

نظمیں

قومی گیت



صلاح الدین نیّر

پیش لفظ

کیا کیا جائے

آج کے شاعروں میں جن شعراء کو لائقِ ذکر و قابلِ اعتناء سمجھا جاتا ہے ان میں صلاح الدین نیّرؔ کا نام ایک خاص امتیاز اور نمایاں پہچان رکھتا ہے۔ شاعر ہونے کے علاوہ ان کی شخصیت بھی بہت سی صفات اور خوبیوں سے عبارت ہے۔ شاعری اور شخصیت کے امتزاج نے انہیں غیر معمولی مقبولیت بخشی ہے اور وہ اسکے مستحق بھی ہیں۔

یوں تو ان کے ادبی سرمایہ میں کئی شعری مجموعے ہیں لیکن زیرِ نظر مجموعہ "کیا کیا جائے" کی انفرادیت یہ ہے کہ یہ ایک غزل گو کو نظم گو شاعر کی حیثیت سے متعارف کرواتا ہے۔ یہ نظمیں اس حقیقت کی شاہد ہیں کہ شاعر نے نظم نگاری میں بھی اپنا برابر کا زورِ قلم صرف کیا ہے۔ مجموعۂ کلام کا آغاز حمدِ باریِ تعالیٰ کے بعد نعتِ شریف سے ہوتا ہے جن میں نیّرؔ سراپا نیاز بن کر حضورِ اکرمؐ کی بارگاہ میں عقیدت کے پھول نئے آہنگ کے ساتھ نچھاور کرتے ہیں۔ پھر دو اٹھارہ غزلوں کے بعد نظموں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

صلاح الدین نیّرؔ کی غزلوں پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے پھر بھی میں یہ کہنا چاہوں گا کہ بہت کم شاعر ایسے ہیں جن کا رشتہ روایت، تہذیب اور زبان و ادب سے بھی گہرا ہو اور اس کے باوجود شاعر نے آزاد روش کی قدروں سے بھی استفادہ کیا ہو۔ غزلوں میں جہاں اُنھوں نے عصری حسّیت سے بھی ہم آہنگ ہونے کا ثبوت دیا

ہے وہاں ماضی سے اپنا رشتہ توڑ کر خود کو اپنے عہد کے حوالے نہیں کیا ہے۔ ایسے شعر پڑھنے کو مل جاتے ہیں جن میں معنویت کی دلکشی بھی ہے اور حسنِ بیان کی دل آویزی بھی۔

غزلوں کے بعد جب میں جناب نیر کی نظموں پر نظر ڈالتا ہوں تو ان میں بھی غزلوں کا سا رس پاتا ہوں۔ نظم اُردو شاعری میں غزل سے ہیٹی نہیں، نظم بنیادی طور پر تاثر یا جذبے کے تجزیاتی مطالعہ کا ایک وسیلہ ہے۔ غزل کی امتیازی خصوصیت تجزیاتی مطالعہ نہیں بلکہ اجتماعی محاکمہ ہے۔ غزل اپنی بنیادی صفت رومانیت اور پھر سماجی روابط اور اجتماعی کیفیات کی نقیب اولادائی ہے۔ جبکہ نظم انفرادی جذبہ اور فکر کی کیفیات کو سامنے لاتی ہے۔

یہ نظمیں موضوعاتی اعتبار سے متنوع ہیں۔ شخصی بھی ہیں ذاتی دینی بھی۔ قومی و وطنی بھی ہیں سماجی و اخلاقی بھی۔ یہ موضوعات عام زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ عنوانات روایتی ضرور ہیں لیکن اظہار کے سلیقے نے ان کو جاندار بنا دیا ہے۔ داخلی طور پر ان نظموں میں وطن کی عظمت اور اسکے ماضی کی سنہری تصویریں بھی ہیں۔ وقت ساز شخصیتوں سے عقیدت کا اظہار بھی اور آج کے انسان کی محرومی اور شکست خوردگی بھی۔ یہ نظمیں ایک ہی سرزمینوں کا سفر نہیں بلکہ ایسی جانی پہچانی رہگزاروں کا سفر ہے جن میں کہیں گرم لُو ہے تو کہیں شبنم و صبا کی عطر بیزی بھی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نیر صاحب نے اپنے قلبی واردات کے اظہار کے لئے نظموں کا سہارا لیا ہے۔

جہاں تک نظموں کی ہیئت کا سوال ہے صلاح الدین نیر نے دو فارم استعمال کئے ہیں۔ پابند نظموں کو بھی برتا ہے اور آزاد نظم کے فارم سے بھی کام لیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آراستہ اور مصفیٰ شاعری کے خلاف جس آزاد نظم کو کبھی مسترد کیا جاتا رہا وہ آج نظم کی دنیا کا سکۂ رائج ہے جس میں قافیہ کی رُکاوٹ کے بغیر با وزن بات کہی جاسکتی ہے۔

اس مجموعہ کے شاعر نے آزاد نظم کی ٹکنیک کو ضبط و احتیاط کے ساتھ برتا ہے۔

آزاد نظموں کے مقابلہ میں پابند نظموں کی تعداد زیادہ ہے کیونکہ جناب نیئر کو اس بات کا احساس ہے کہ پابند نظموں میں قافیہ اور ردیف کی جھنکار سے نہ صرف موسیقیت پیدا ہوتی ہے بلکہ نظم کی داخلی وحدت کو ہئیت کی خارجی وحدت بھی حاصل ہوتی ہے۔ آج اگرچہ نئی نظم کا ڈکشن بہت کچھ بدل گیا ہے۔ اسلوب پر بھی کئی تہیں چڑھ گئی ہیں لیکن جناب نیئر نے حسنِ بیان اور فن کی تازگی سے ہم آہنگ کر کے بڑی حد تک اس کمی کو پورا کر دیا ہے۔

حرفِ آخر یہ کہ اس "کیا کیا جائے" مجموعہ میں شامل غزلیں اور نظمیں محسوسات، مشاہدات، تجربات اور جذبات کے تراشے ہوئے بڑے خوبصورت پیکر ہیں جو اسلوب اور فکر کی ایک خوشگوار ہم آہنگی کا احساس دلاتی ہیں۔ نیئر پورے حوصلے کے ساتھ اس سفر میں بڑی تیز گامی سے رواں دواں ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس مجموعہ کو تحسین کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ اِن کے فکر و فن کی خوشبو "گلِ تازہ" کی طرح ہر طرف پھیل کر علم و فن کے قدر دانوں اور شعر و سخن کے پرستاروں کے مشامِ جاں کو معطر کرتی رہے گی۔

ڈاکٹر علی احمد جلیلی

۱۵ ر ڈسمبر ۱۹۹۴ء

"جلیل منزل" نور خاں بازار۔ حیدرآباد۔

اپنی بات

"کیا کیا جائے" میرا نواں مجموعۂ کلام ہے۔ پہلا مجموعۂ کلام "گلِ تازہ" سنہ ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ "گلِ تازہ" کے بعد "زخموں کے گلاب" سنہ ۱۹۷۲ء میں "صنم تراش" سنہ ۱۹۷۸ء "تشکیل در تشکیل" ۱۹۷۹ء "خوشبو کا سفر" سنہ ۱۹۸۳ء اور "رشتوں کی مہک" سنہ ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئے ۔۔۔ میری منتخب غزلوں کا (۳۵۶) صفحات پر مشتمل مجموعہ "سفر جاری ہے" سنہ ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا۔ جس میں غیر مطبوعہ غزلوں کے علاوہ پچھلے شعری مجموعوں میں شامل منتخب کلام شامل ہے۔ سنہ ۱۹۹۰ء میں منتخب نظموں کا ضخیم مجموعہ (۳۹۲ صفحات) "یہ کیسا رشتہ ہے" شائع ہوا۔ اس مجموعۂ کلام میں بھی غیر مطبوعہ نظموں کے علاوہ دوسرے شعری مجموعوں میں شامل منتخب نظمیں شریک ہیں۔ سنہ ۱۹۶۵ء میں "نیر گیالو" کے نام سے "گلِ تازہ" کی منتخب غزلوں کا منظوم ترجمہ تلگو کے ممتاز تلگو، اردو شاعر و ادیب جناب ہیرالال موریا کی نگرانی میں زیر اہتمام ساہتیہ کلا پریشد کھمم شائع ہوا۔ عظمت "عبدالقیوم ۔ فن اور شخصیت" سنہ ۱۹۸۸ء میں اور "عظمت خیاباں" (عظمت عبدالقیوم کے مضامین، افسانے، شاعری) ۱۹۸۹ء ترتیب دیئے گئے ۔۔۔ سنہ ۱۹۹۲ء میں "سلسلہ پھولوں کا" (خود نوشت سوانح سنہ ۱۹۹۳ء میں "پھر وہی پرچھائیاں" (ادبی مضامین، تبصرے، خاکے، سفرنامے) سنہ ۱۹۹۳ء میں المیہ تحریریں شائع ہوئیں ۔۔۔ "صلاح الدین نیر ۔ فن اور شخصیت" کے زیر عنوان ممتاز دانشوروں کی تحریروں پر مشتمل کتاب "قافلہ چلتا رہے گا" سنہ ۱۹۹۲ء میں شائع

ہوئی جس کو ممتاز ادیبہ صالحہ الطاف (مدیرہ خاتونِ دکن) اور ڈاکٹر صابرہ سعید لکچرار اُردو سلطان العلوم کالج آف ایجوکیشن نے ترتیب دیا ہے۔ نومبر ۱۹۹۴ء میں جناب قمر الدین صابری ایڈیٹر ماہنامہ "شاداب" نے بہ تعاون جوائنٹ ایڈیٹر جناب مومن خاں شوق "صلاح الدین نیّر۔ فن اور شخصیت" کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا۔

"کیا کیا جائے" مجموعۂ کلام کو بھی شامل کرتے ہوئے (۹) شعری مجموعے، (۵) نثری کتابیں اور مجھ سے متعلق (۳) کتابیں اس طرح (۱۷) کتابیں شائع ہوئیں۔ تاحال میں نے زائد از (۵۰) کتابیں اپنے زیرِ نگرانی شائع کروائی ہیں۔ ایک اور نثری کتاب جو میرے ادبی مضامین، تبصروں اور خاکوں پر مشتمل ہے زیرِ ترتیب ہے۔ مجموعۂ کلام "کیا کیا جائے" (یہ کیسا رشتہ ہے) ۱۹۹۰ء کے بعد شائع ہو رہا ہے جس کی اشاعت کے لئے فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنو حکومت اُتر پردیش نے جزوی اعانت کی ہے۔

۱۵۲ صفحات پر مشتمل کتاب میں ایک حمد باری تعالیٰ، ۱۱ نعتِ شریف، ایک سلام ۱۸، غزلیں، ۳۲ نظمیں، شراب بندی پر ۱۳ شعر، ۵ قومی گیت، ۸ متفرق اشعار شامل ہیں۔

میری ہر کتاب کے لئے بعض ممتاز دانشوروں نے اپنی تحریروں سے نوازا ہے۔ میری خواہش پر اس کتاب کے لئے ممتاز شاعر و نقاد ڈاکٹر علی احمد جلیلی نے پیش لفظ لکھا ہے۔

اِس کتاب کو میں نے اپنی ایک عزیز ترین بہن۔۔۔۔ کے نام معنون کیا ہے۔ میری ایک اور بہن ممتاز ادیبہ صالحہ الطاف (مدیرہ خاتونِ دکن) نے میری بعض کتابوں کی طرح اس کتاب کی بھی ترتیب و تزئین اپنے ذمہ لی ہے ـــــ میں اپنی بہن کا کیا تشکریہ ادا کر سکتا ہوں۔ وہ مجھ پر ہمیشہ ہی مہربان رہی ہیں۔ میں اُن تمام دانشورانِ شعر و ادب کا شکرگزار ہوں جنہوں نے شعر و ادب کے راستوں پر میرے بڑھتے ہوئے قدموں کو ہمیشہ سہارا دیا ـــــ

میں اپنے بہترین دوست ممتاز شاعر جناب شفیع اقبال کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے نہایت عمدگی کے ساتھ بپابندیٔ وقت کتابت کی۔

اُستاذالمحترم پروفیسر سید محمدؒ کے نیک خُو، نیک صفت، نیک سیرت و صورت قابلِ اعتبار، پابندِ وعدہ، سبک خرام، نرم گفتار، معاملہ فہم، شائستہ، معتبر و باوقار نورِ چشم (مالک اعجاز پریس) عزیزم سید نور محمدؐ کا شکر گزار ہوں کہ موصوف نہ صرف میری کتابوں بلکہ میرے توسط سے شائع ہونے والی کتابوں کی طباعت کے سلسلے میں بھی نہایت ذمہ داری کے ساتھ تعاون کیا کرتے ہیں ــــــ

فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اُتر پردیش لکھنؤ کا بھی شکر گزار ہوں کہ میرے مسودۂ شاعری کو اشاعت کے لئے منظور کرتے ہوئے مناسب گرانٹ سے نوازا ــــ

میں اُن تمام قارئین و سامعین سے بھی اظہارِ تشکر کرنا چاہوں گا جو مسلسل زائد از ۳۰ برس سے میری حوصلہ افزائی کر رہے ہیں ــ آخر میں اُن تمام سرپرستوں دوستوں اور بہی خواہوں کا بھی ممنون ہوں جو میرے شعری سفر کا ایک اہم حصّہ بنے ہوئے ہیں۔

بے شک یہ کی فہرست میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو میرے اوراقِ دل پر ہمیشہ نمایاں رہیں گے۔ •

۵ دسمبر " کہکشاں "، بلے پلی۔

صلاح الدین نیّر





قدم قدم پہ ہے کیوں میرا امتحاں یارب
زمیں ہوں تو بنا مجھ کو آسماں یارب

ہر ایک گھر کے لئے روشنی کروں تقسیم
اُتار دے مرے آنگن میں کہکشاں یارب

نگاہ ٹھہری ہے جا کر بہت بُلندی پر
بہت دلوں سے ہے تُو مجھ پہ مہرباں یارب

ہر ایک گام پہ باقی رہے مری پہچان
تو جس کو چاہے بنا میرِ کارواں یارب

جہاں کہیں بھی ہو اپنی پناہ میں رکھنا
بھٹکتا رہتا ہے انساں کہاں کہاں یارب

سِکھا دے سب کو تُو آدابِ گفتگو کا ہُنر
بہت سے لوگ ہیں محفل میں بے زباں یارب

میں آئینہ کی طرح اپنے دوستوں میں رہوں
کوئی بھی دوست نہ ہو مجھ سے بدگماں یارب

زمانے بھر کی ہمیں دھوپ نے جلایا ہے
ہمارے سر کے لئے بھی ہو سائباں یارب

میں اپنے آپ کو سب سے چھپائے رکھتا ہوں
ترے سوا ہے مرا کون رازداں یارب

یہ روشنی مرے پرکھوں کا اک تسلسل ہے
اسی طرح رہے آباد یہ مکاں یارب

بھرم اسی سے ہے باقی مرے قبیلے کا
رہے یہ قافلہ یوں ہی رواں دواں یارب

میں ڈھونڈ لایا ہوں تیسر کو کتنی مشکل سے
اب اس کے بعد نہ لے میرا امتحاں یارب

نعت شریف

ازل سے میری طبیعت قلندرانہ ہے
میں جانتا ہوں کہاں مجھ کو سر جھکانا ہے

کہیں بھی پیش کیا جاؤں میں بہ روزِ حساب
مجھے تو آپ کے دامن میں منہ چھپانا ہے

کہاں تلک یوں ہی بھٹکو گے آؤ مل کے چلیں
بہت قریب فقیروں کا آستانہ ہے

ہمیشہ رہتا ہوں میں بوریہ نشینوں میں
اسی لئے تو نظر میری خسروانہ ہے

بسا ہے اس لئے آنکھوں میں گنبدِ خضرا
مذاقِ خوش نظری میرا صوفیانہ ہے

یہ وہ جگہ ہے کہ اٹھنے کو جی نہیں کرتا
درِ حبیب کا منظر بڑا سہانا ہے

نبیؐ کے در سے میں جاؤں گا اب کہاں نیّر
فقیر زادوں کا یہ آخری ٹھکانہ ہے



نعت شریف

○

جس دن سے مدینے کی میں پہچان بنا ہوں
اُس روز سے میں اوجِ بلندی پہ کھڑا ہوں

آنکھوں میں لئے حسرتِ دیدارِ محمدؐ
میں کب سے مدینے کی طرف دیکھ رہا ہوں

پتھر کی طرح شہروں میں پھرتا رہا برسوں
جب پہونچا مدینہ تو میں آئینہ بنا ہوں

سب اُمتی اُمیدِ شفاعت میں کھڑے ہیں
میں دستِ مبارک کی طرف دیکھ رہا ہوں

یہ بھی تو مری عرشِ نگاہی کی ہے معراج
اک عمر سے میں آپ کے قدموں میں پڑا ہوں

کچھ بات ہی ایسی ہے نظر اُٹھ نہیں سکتی
میں سر کو جھکائے ہوئے خاموش کھڑا ہوں

تہذیبِ نظر کس کو عطا ہوتی ہے نیّر
دربارِ رسالت میں میں اب جانے لگا ہوں

○

نعتِ شریف

نظر ملاؤں گا اب دیدہ ور زمانے سے
میں آگیا ہوں محمدؐ کے آستانے سے

مرے خدا تو مجھے مستقل مزاجی دے
مقابلہ ہے مرا بے وفا زمانے سے

کسی طرح مجھے باطل پہ فتح پانا ہے
نہ باز آؤں گا میں کشتیاں جلانے سے

مجھے تو یوں بھی حفاظت کا حق پہونچتا ہے
بہت قریب ہے مسجد غریب خانے سے

ہے عارضی یہ غلامی تو مستقل کیجے
قدیم رشتہ ہے سادات کے گھرانے سے

بس ایک بار زیارت کا دیجئے موقع
پڑا رہوں گا میں در پہ کسی بہانے سے

نگاہِ عرش سے آگے نکل گئی نیئر
رسولِ پاکؐ کے قدموں میں سر جھکانے سے

○

نعت شریف

بلندیوں سے بھی آگے نگاہ جاتی ہے
انا جب آپ کے قدموں میں سر جھکاتی ہے

پھر اس کے بعد کسی شئے پہ اُٹھ نہیں سکتی
نگاہ جب درِ آقا کو چھو کے آتی ہے

میں اِس یقین سے بیٹھا ہوں مطمئن ہو کر
سواری آپ کی اکثر اِدھر سے جاتی ہے

اِدھر ہے خانۂ کعبہ اُدھر دیارِ رسولؐ
کہاں پہ دیکھئے تقدیر لے کے جاتی ہے

بکھرنے لگتی ہیں شام و سحر کی زنجیریں
یہ دنیا جب بھی فقیروں کو آزماتی ہے

غزل سے پہلے میں لکھتا ہوں جب بھی نعت رسولؐ
نبیؐ کی خوشبو مرے دل میں گھر بناتی ہے

طوافِ خانۂ کعبہ کے بعد ہی تیسمؔ
نظر ہماری مدینے کی سمت جاتی ہے

○

نعت شریف

پیشِ نگاہ جب سے کہ آقا کی ذات ہے
زیرِ اثر زمیں نہیں، کُل کائنات ہے

کب جانے میں نے کی تھی مدینے کی آرزو
روشن ابھی تلک مری شمعِ حیات ہے

مکتب میں صوفیوں کے سِکھایا گیا یہی
ذکرِ رسولؐ کے لئے دن ہے نہ رات ہے

کچھ سوچ کے ضمیر نے یہ فیصلہ کیا
دامانِ مصطفٰےؐ ہی میں اپنی نجات ہے

لوٹا ہوں جب سے روضۂ اقدس کو دیکھ کر
دل میں تجلیّات کی اک کائنات ہے

ہم جیسے بے سہاروں کو نیّرؔ بروزِ حشر
دامن میں لینے والی وہی ایک ذات ہے

○

نعت شریف

لکھ رہا ہوں نعت پلکوں پر نمی آنے کو ہے
دامنِ عصیاں بھی اس کے ساتھ دُھل جانے کو ہے

کوچۂ یثرب سے پھر ٹھنڈی ہوا آنے کو ہے
خانۂ دل کے ہر اک گوشے کو چمکانے کو ہے

آنکھوں آنکھوں میں جہاں ہوتے تھے سارے فیصلے
سرزمینِ پاک ایسی اب نظر آنے کو ہے

ایک مدّت سے دعاؤں پر رُکی ہے زندگی
عظمتِ رفتہ یقیناً لوٹ کر آنے کو ہے

ایسا اک احساس جو اِتنک گنہ گاروں میں تھا
سر جھکائے در پہ آقا کے ٹھہر جانے کو ہے

جس کی خاطر ایک لمبی عمر آنکھوں میں کٹی
دل یہ کہتا ہے کہ وہ منزل قریب آنے کو ہے

دہر میں اب عام ہو جائے گا فیضانِ رسولؐ
وقت اک ایسا بھی نیّرؔ جلد ہی آنے کو ہے

نعت شریف



ہم جانتے ہیں عشقِ محمدؐ میں کیا ملا
عرشِ بریں کو چھونے کا اِک حوصلہ ملا

سو بار چومنے کی سعادت ملی مجھے
جب عالمِ خیال میں دستِ عطا ملا

سب کچھ ہے میرے چہرے پہ پڑھ کر تو دیکھئے
کیوں پوچھتے ہو کوچۂ آقا میں کیا ملا

عصیاں نصیب لوگوں کی دنیا بدل گئی
رحمت نواز لمحوں سے جب سلسلہ ملا

سوتا رہوں گا صبر کی چادر کو اوڑھ کر
میں کیا کروں کہ ایسا ہی درسِ وفا ملا

اہلِ خرد کو چھوڑیئے وہ کیا بتائیں گے
آقا کے در سے پوچھئے نیّر کو کیا ملا

نعت شریف

با چشمِ نم یہاں پہ چلے آنا دیکھئے
دربارِ مصطفیٰ ؐ ہے فقیرانہ دیکھئے

مت پوچھئے کہ کیا ہے یہ اسرارِ بے خودی
کس حال میں ہے اب دلِ دیوانہ دیکھئے

آقا کے در پہ سر میں جھکانے کھڑا تو ہوں
لبریز ہوگا کب مِرا پیمانہ دیکھئے

گر جاننا ہے خاک نشینوں کا مرتبہ
مسند پہ رہ کے رنگِ فقیرانہ دیکھئے

نشّہ ہی اور ہوتا ہے حُبِّ رسول ؐ کا
روشن ہے اُن کے نور سے کاشانہ دیکھئے

جلتا رہا ہے کب سے بصیرت کی آگ میں
شمعِ رسول ؐ پاک کا پروانہ دیکھئے

مہکی ہوئی ہے کب سے قلندر کی سرزمیں
نیّر کی کیا ہے شانِ فقیرانہ دیکھئے

نعتِ شریف

سگِ رسولؐ بنیں، اختیار اپنا ہے
جہاں کہیں بھی رہیں، اختیار اپنا ہے

پہنچ ہے اس لیے عرشِ بریں تلک اپنی
نبیؐ کے قدموں میں رہنا شعار اپنا ہے

یقین بڑھنے لگا ہے بُلاوا آئے گا
بڑے زمانے سے دل بےقرار اپنا ہے

مدینہ جا کے بھلا کون لوٹ آئے گا
کوئی بتائے کِسے اختیار اپنا ہے

نبیؐ کی گلیوں میں اِس طرح لگ گیا ہے دِل
تمام عُمر کٹی اِنتظار اپنا ہے

نہ ہم کو ڈھونڈیئے گا پھر سے شہر یاروں میں
غلامِ سرورِ دیں میں شمار اپنا ہے

کرم نبیؐ کا نہیں ہے تو کیا ہے یہ نیّر
دیارِ غیر میں بھی اِقتدار اپنا ہے

○

نعت شریف

رِدائے اشک لئے آستاں پہ آؤں گا
یہاں نہیں تو میں آقا کہاں پہ جاؤں گا

بہ چشمِ نم درِ آقا پہ آگیا ہوں مگر
نیاز و ناز کی منزل ہے سر جھکاؤں گا

خُدا ہی جانے کہ روزِ حساب کیا ہو گا
وہاں بھی آپ کے قدموں میں بیٹھ جاؤں گا

قلندری کے سوا اور کیا ہے میرے پاس
میں اب کی بار بھی اشکوں کے پھول لاؤں گا

مسائل اتنے ہیں آقا! تھکن زیادہ ہے
جگہ ملی تو میں قدموں میں بیٹھ جاؤں گا

نظر میں روضۂ اقدس ہے لب پہ ذکرِ رسول
اسی خزانہ کو نیّر! میں ساتھ لاؤں گا

سلام

گھر ہوگا بے چراغ نہ اُس تشنہ کام کا
ہے جس کو علم آلِ نبی کے مقام کا

بکھرے ہوئے فرات پہ تھے روشنی کے پھول
جب چہرۂ زخم زخم تھا ماہِ تمام کا

اب بھی حسینؑ زندہ ہیں صدیوں کے بعد بھی
یہ معجزہ ہے مومنو! حُسنِ دوام کا

تھا ہر جگہ پہ سہما ہوا لشکرِ یزید
وہ دبدبہ تھا جنگ میں سیّد امام کا

خوشبو جب آئی تشنہ لبوں کی تلاش میں
چہرہ لہو لہان تھا کُوفے کی شام کا

آتا ہے کب یونہی لب و لہجے میں یہ اثر
فیضان ہے نبیؐ کے نواسوں کے نام کا

کاسہ بہ دست کب سے میں نیّرؔ کھڑا تو ہوں
کچھ تو جواب آئے گا [illegible]

رمضان شریف



رحمت فزا تھیں ساعتیں ماہِ صیام کی
شام و سحر تھیں رونقیں ماہِ صیام کی

اک نور جیسے ہر کسی چہرے پہ تھا عیاں
کیا کیا رہیں، عنایتیں ماہِ صیام کی

سوچو تو روزہ داروں کو کیا کیا نہ دے گئیں
جنّت بہ کف، عبادتیں، ماہِ صیام کی

سجدہ گزار، جھولیاں بھر بھر کے لے گئے
فیضِ رواں تھیں، رحمتیں ماہِ صیام کی

پیوست دل، جگر میں رہیں گی اِسی طرح
عظمت نواز حُرمتیں، ماہِ صیام کی

موسم عبادتوں کے بدل جائیں بھی تو کیا
باقی رہیں گی عظمتیں، ماہِ صیام کی

نیّر اُجالے اُن کے گھروں کے ہیں پاسباں
جن کو ملی ہیں برکتیں، ماہِ صیام کی



عیدالفطر



یہ جشنِ عید ہے یہ، مسرت نواز ہے
اُن کے لئے کہ جن کی عبادت میں کٹ گئی
اُن کے لئے جو دین کی راہوں میں صبح و شام
خوشبو کے اک سفر کی طرح تیز گام تھے
مفلس سے، بے نواؤں سے بھی ہم کلام تھے



یہ جشنِ عید ہے یہ، مسرت نواز ہے
اُن کے لئے جنہوں نے یتیموں کی لی خبر
جو بے گھروں کے واسطے اک سائبان تھے
اُن کے لئے جو شمعِ فروزاں کی شکل میں
جلتے رہے ہیں خانہ بدوشوں کے واسطے



یہ جشنِ عید ہے یہ، عسرت نواز ہے
اُن کے بھی واسطے جو مروّت شناس ہیں
جو دل سے دُور رہتے ہوئے دل کے پاس ہیں
اُن کے لئے جو جیتے ہیں اوروں کے واسطے
جو منتظر ہیں صبح کے پیغام کے لئے
مصروف ہیں جو دین کے ہر کام کے لئے
لیتے ہیں سانس عظمتِ اسلام کے لئے



اُن کے لئے جو دین کی راہوں میں صبح و شام
خوشبو کے اِک سفر کی طرح تیز گام تھے
مفلس سے، ہم نواؤں سے بھی ہم کلام تھے



ایسا تو نہیں ہے کہ گُلِ تر نہیں دیکھا
دیکھا ہے مگر اتنا بھی نہ بے گھر نہیں دیکھا

لکھ ڈالی ہے جس نے نئی تاریخِ شہادت
کتنا ہے بلند آپ نے وہ سر نہیں دیکھا

راتیں بھی کئی بیٹھ پہ گھوڑے کی گزاریں
تھا ایسا مجاہد کبھی بستر نہیں دیکھا

جب ٹوٹ گیا رشتہ غلاموں کی زمیں سے
خود دار تھا اتنا کبھی مُڑ کر نہیں دیکھا

اک ہاتھ میں تسبیح تھی اک ہاتھ میں تلوار
اُس دن سے کسی نے اُسے گھر پہ نہیں دیکھا

پرکھوں کی عمارت تھی وہ رہتی وہیں قائم
کچھ لوگوں نے نزدیک سے جا کر نہیں دیکھا

گذرا ہوا لمحہ تھا قریب آیا تھا نیّر
افسوس کہ میں نے اُسے چھُو کر نہیں دیکھا





ہمارے سامنے قاتل ہے کیا کیا جائے
وہ اب بھی زینتِ محفل ہے کیا کیا جائے

حصارِ ذات سے آگے نکل گیا ہوتا
نظر میں صاحبِ منزل ہے کیا کیا جائے

تمام عمر دیا جس کو میں نے درسِ جنوں
وہ آج میرے مقابل ہے کیا کیا جائے

وہ چاہتا ہے کہ اُس کی نظر کی حد میں رہوں
یہ اختیار اُسے حاصل ہے کیا کیا جائے

تمام شہر ہے پیاسہ دھواں دھواں منظر
یزید اپنے مقابل ہے کیا کیا جائے

میں ایک لمحہ بھی رستے میں رُک نہیں سکتا
ہوا کے دوش پہ محمل ہے کیا کیا جائے

بہت سے ڈوبنے والے تو بچ گئے نیّر
ہمارا گھر لبِ ساحل ہے کیا کیا جائے





آج انجم ہیں تو کیا، کل کہکشاں ہو جائیں گے
ہم زمیں پہ رہ کے اک دن آسماں ہو جائیں گے

دوستی میں فاصلہ رکھ کر نہ تم ہم سے ملو
ورنہ تم سے ہم بھی اک دن بدگماں ہو جائیں گے

جو نشانِ رہ گذر بن کر بھی تنہا رہ گئے
ایک دن وہ لوگ میرِ کارواں ہو جائیں گے

گفتگو کے فن سے ہم واقف ہیں کتراؤ نہیں
کیا کرو گے مِل کے جب ہم بے زباں ہو جائیں گے

ہم کو ڈر ہے تو یہی پہچان اپنی کھو نہ دیں
آپ پر پوری طرح جب ہم عیاں ہو جائیں گے

نقل میں اوروں کی اُن کا بھی لب و لہجہ گیا
ہم یہ سمجھے تھے کہ وہ شیریں بیاں ہو جائیں گے

آپ سے ہے مطمئن نیّر یہ اپنی دیوانگی
اِک نہ اک دن آپ اُس پر مہرباں ہو جائیں گے





ایک دن آئے گا ایسا بھی کرشمہ ہوگا
تیرے چہرے پہ مری پلکوں کا سایہ ہوگا

کٹ گئی عمر مگر نام کوئی دے نہ سکا
زندگی! تجھ سے مرا کونسا رشتہ ہوگا

بے دیا گھر ہے سرِ شام ہی سوچتا ہوں
اِک نہ اِک دن تو مرے گھر میں اُجالا ہوگا

اِس توقع پہ کہ دستک کی صدا آئے گی
پاس دروازے کے اب تک کوئی بیٹھا ہوگا

زندگی خانہ بدوشوں میں بھی گزری ہوگی
تب کسی نے تمہیں مسند پہ بٹھایا ہوگا

اِسی انداز سے گر چلتی رہی بادِ صبا
دل کا یہ زخم بھی اک دن گُلِ تازہ ہوگا

مِٹ گئی ہوگی کئی چہروں کی نئی پہچان
آئینہ ٹوٹ کے جب فرش پہ بکھرا ہوگا





کب تلک دیوار بن کر تم رہو گے درمیاں
راستہ دو ورنہ رک نہ پائے گا یہ سیلابِ رواں

کل نہ یہ احباب ہونگے اور نہ بزم آرائیاں
چھوڑ جائیں گے یہاں سب اپنی اپنی داستاں

آہٹوں کا ذکر ہی کیا، راستے بھی تنگ ہیں
رہبروں کی سرزمیں ہے پاؤں رکھو گے کہاں

ایک مدت سے اسی اک سوچ میں ہوں دوستو
جانے کس نقشے میں فٹ ہوگا مرا ہندوستاں

زلزلوں کے قہر کو تو سہہ گئی اپنی زمیں
کیا کرو گے ٹوٹ کر جب گر پڑے گا آسماں

میں نہ اُردو چاہوں گا، ہندی نہ تلگو، فارسی
ملک میں رائج اگر ہو گی محبت کی زباں

گھر کی دیواروں کو نیّر دیکھ لو اچھی طرح
آندھیاں پھر چل رہی ہیں گر نہ جائے یہ مکاں





ہیں زخم زخم لوگ، بُلا کر تو دیکھئے
ایسا بھی ایک جشن منا کر تو دیکھئے

ہم آپ کی نظر سے کہاں اِتنی دُور ہیں
ہم کو کبھی زمین پہ آ کر تو دیکھئے

اب آپ اپنی ساری ندامت کے باوجود
بیمار باپ ہے ذرا جا کر تو دیکھئے

کِس کِس کی ہیں دُعا کا اثر ہوں یہ جاننے
میرے غریب خانے میں آ کر تو دیکھئے

غدّارِ قوم کون، محبِّ وطن ہے کون
آواز اپنے گھر سے لگا کر تو دیکھئے

کچھ اور بھی ہے خونِ شہیداں کے ساتھ ساتھ
خاکِ وطن کو ہاتھ لگا کر تو دیکھئے

نیّر! وہ اپنا دوست ہے سمجھاؤں گا اُسے
اِک بار اُس سے ہاتھ مِلا کر تو دیکھئے





ذہن و فکر کو میرے کس نے یہ رسائی دی
اتنی دُور کی آواز کس طرح سُنائی دی

مسئلہ وہیں پر تھا کب سے موج و ساحل کا
موسموں کا رُخ موڑوں کس نے ناخدائی دی

سُن رہا ہوں برسوں سے میں ضمیر کی آواز!
مجھ کو میرے مالک نے اتنی تو رسائی دی

جب تلاش میں اپنی میں جہاں جہاں پہنچا
آپ ہی کی اک صورت ہر جگہ دکھائی دی

چین سب کو مل جائے اس نظامِ عالم میں
اس لئے ہی قدرت نے ہم کو کج ادائی دی

اب کی بار بھی نیّر پھر وہی مری آواز
میرے گھر کے آنگن میں دیر تک سُنائی دی





مہاجروں کے بھیس میں یہاں یہ کون آگیا
زمین اپنی چھوڑ کے وہ شخص تو چلا گیا

کب اک مقام پر رہا جنوں پسند آدمی
زمین تنگ جب ہوئی تو آسماں پہ چھا گیا

عجیب فاقہ مست تھا کہ بھوک اپنی چھوڑ کر
قلندروں کی بزم سے وہ اُٹھ کے پھر چلا گیا

خموش تھا تو حادثوں کی فکر کب کسی کو تھی
وہ مسکرایا اِس طرح کہ سب کو پھر رُلا گیا

دراز دستی بڑھ گئی تو میرے ہاتھ کٹ گئے
گناہ گار میں ہوا کسی کا اِس میں کیا گیا

جنوں کی بستیوں میں جا کے جشن پھر منائیے
بھٹکنے والا پھر کسی کو راستہ دکھا گیا

کہاں ہو نیّرِ غزل کیوں اس طرح سے چل دیئے
ہوا کا ایک جھونکا جیسے آیا اور چلا گیا





کون جانے کتنے آنسو نذرِ پیمانہ ہوئے
زندگی سے کٹ کے ہم تو اور آوارہ ہوئے

ہم تو صحرا بھی نہیں تھے پھر یہ وسعت دیکھئے
اس قدر پھیلے کہ ہم بھی دامنِ صحرا ہوئے

کس پہ اب روشن نہیں ہے ہم قلمکاروں کا حال
ہم کہیں آنسو بنے ہیں اور کہیں نغمہ ہوئے

وہ جو پُر اسرار تھے بے سائباں گھر کی طرح
لوگ کہتے ہیں وہی تاریخ کا حصّہ ہوئے

فاصلہ اچھا نہیں، نزدیک آکر دیکھئے
آپ سے ملنے سے پہلے کیا تھے ہم اب کیا ہوئے

سوچ لو کب تک رہو گے تم کھلونوں کی طرح
کس کے ہاتھوں سے نکل کر کس کا پیمانہ ہوئے

منزلِ ہوتے تو کم کم روشنی ملتی ہمیں!
زخم رستے رستے نیتجہ خود ہی آئینہ ہوئے





یہ جیسا بھی میرا آئینہ ہے
سبھی چہروں کو یہ پہچانتا ہے

مرے گھر پر کبھی دستک نہ دینا
چلے بھی آؤ دروازہ کھلا ہے

مجھے اتنا نہ تم مجبور سمجھو
مرے گھر میں بھی مٹی کا دیا ہے

سوائے آپ کی پرچھائیوں کے
ہمارے گھر میں اب کیا رہ گیا ہے

محبت والے سب ہوتے ہیں ایسے
تمہیں دیکھا تو اندازہ ہوا ہے

تمہیں گر ناز ہے تقوی پہ نیسّر
ہمارے پاس بھی دستِ دعا ہے





وہ لوگ جن پہ ہے برسوں سے اعتبار مجھے
سمجھ رہے ہیں وہی قاتلِ بہار مجھے

دِیا جلائے ہوئے کب سے دَر پہ بیٹھا ہوں
کبھی تو آئے گا جس کا ہے انتظار مجھے

تمہارے نام کے ساتھ اپنا نام بھی لکھوں
دیا تھا تم نے کہاں اِتنا اختیار مجھے

دُکھا کے دل کو ترے رات بھر میں سو نہ سکا
مِرا ضمیر جگاتا تھا بار بار مجھے

میں ڈر رہا ہوں کہ پہچان کھو نہ جائے کہیں
نہ کیجئے کبھی بھولے سے اِتنا پیار مجھے

وہ جن کو میں کِسی رِشتہ کا نام دے نہ سکا
وہی تو کرتے ہیں سب سے زیادہ پیار مجھے

کِسی نے جاتے ہوئے مُڑ کے مجھ کو دیکھا تھا
اُسی کا آج بھی ہے انتظار مجھے





میں چاہتا تھا رفیقوں کو اپنے سمجھانا
ذرا تو کم ہو کبھی چشمکِ حریفانہ

تلاش کس کی ہے سب شکلیں ایک جیسی ہیں
کیوں آپ آئے ہیں ہاتھوں میں لیکے آئینہ

بجز قناعتِ دیرینہ کیا ہے اپنے پاس
ہمارے گھر سے کبھی خالی ہاتھ مت جانا

کئی برس ہوئے اپنی زمین چھوڑے ہوئے
جو لوٹ آئے کسی نے نہ ہم کو پہچانا

وہ دن قریب ہے لے تاج بادشاہ کی طرح
اسی زمین سے اُٹھے گا کوئی دیوانہ

اسی طرح کئی موسم گزر گئے نیّر
ہے اُن میں اب بھی وہی شانِ بے نیازانہ





پچھلے پہر جو روتا ہوگا
میری طرح وہ تنہا ہوگا

میرے آنسو پونچھنے والے
تیرا دامن بھیگا ہوگا

کس کو خبر خوشبو کے سفر میں
آپ کا گھر بھی آیا ہوگا

تیری آنکھیں دیکھنے والا
آج تلک بھی پیاسا ہوگا

میرا ماضی زخم کی صورت
آپ کے دل میں رہتا ہوگا

چھوڑ کے سب کو جانے والا
میری طرف بھی دیکھا ہوگا

اس کو جہاں چھوڑا تھا نیر
اب بھی وہیں وہ ٹھہرا ہوگا





مصلحت کوش تھے تم، دل میں چھپا رکھی تھی
ہم نے جو بات سرِ بزم روا رکھی تھی

کیا بتاؤں تمہیں پردیس میں وہ بھی نہ رہی
میں نے جو خاکِ وطن گھر پہ بچا رکھی تھی

مفلسی نے مرا گھر چھوڑ کے جاتے جاتے
ایک روٹی مرے حصّہ کی بچا رکھی تھی

اس کو بھی تیز ہواؤں نے پنپنے نہ دیا
ہم نے جو شمع سرِ بزم جلا رکھی تھی

کس کو معلوم کہ کس وقت گذر ہو اُس کا
میں نے اک شمع سرِ راہ جلا رکھی تھی

ہم اُسی بات کو آنکھوں میں لئے پھرتے ہیں
تم نے جو بات زمانہ سے چھپا رکھی تھی

بات جو تلخ بہت تلخ تھی اُس کو نیّر
اگلی محفل کے لئے میں نے اٹھا رکھی تھی





میں کچھ نہ تھا خدا نے بہت کچھ دیا مجھے
دامن نہیں تو دیدۂ پُرنم مِلا مجھے

پھولوں سے ربطِ خاص تھا آیا تھا ایک بار
اب بھی تلاش کرتی ہے بادِ صبا مجھے

اک جنبشِ نگاہ نے محصور کر دیا
اے ذکرِ یار! تُو نے دی کیسی سزا مجھے

پانا تھا جس کو پا نہ سکا عُمر کٹ گئی
دنیا نے جستجو کے سوا کیا دیا مجھے

شہ رگ سے وہ قریب تو ہے اُسکے باوجود
محسوس ہو رہا ہے ابھی فاصلہ مجھے

اُجڑے ہوئے چمن کی یہاں راکھ بھی نہیں
لائی ہے کس مقام پہ بادِ صبا مجھے

نیّر! ہے غم یہی، مری پہچان کھو گئی
اپنے ہی گھر میں اِس طرح لُوٹا گیا مجھے





کیا جانے اب کے رُت یہاں کیا کام کر گئی
چادر نئی بہار کے سر سے اُتر گئی

تم اک لکیر کھینچ کے ہی مطمئن رہے
حدِّ تعیّنات سے آگے نظر گئی

گھبرا کے آسماں کی طرف دیکھتا ہوں میں
اب کے بھی خالی ہاتھ دعائے سحر گئی

پچھلی روایتوں کو بچانے کے باوجود
احساس زندہ رہ گیا، تہذیب مر گئی

گلشن میں پھول کلیوں کا بٹوارہ جب ہوا
پہلو بچا کے سب سے نسیمِ سحر گئی

بے داغ آئینوں کی طرح چشمِ معتبر
کچھ مرحلوں پہ ہم پہ بھی احسان کر گئی

نیّر! یہی ہے غم کہ اُسے چھو نہیں سکا
تازہ ہوا قریب سے ہو کر گزر گئی





دامن ہے کہیں تر تو کہیں دیدۂ نم ہے
بھائی کی طرح رہتے ہیں دونوں کا بھرم ہے

اونچی ہوئیں کچھ اور بھی دیواریں گھروں کی
رسوائی کا یہ زخم بھی کیا پہلے سے کم ہے

کانوں میں ہیں محفوظ ابھی چیخوں کی آواز
جلتے ہوئے شہروں کا ہمیں آج بھی غم ہے

جن ہونٹوں سے آتی تھی کبھی دودھ کی خوشبو
اُن ہونٹوں کا ہر زاویہ محرومِ کرم ہے

بارود کی بُو آتی ہے اُن ہاتھوں سے نیّر
جن ہاتھوں کی میراث میں خوشبو کا قلم ہے





احباب اپنے کتنے ہی خانوں میں بٹ گئے
جن پر ہمیں تھا ناز وہی ہاتھ کٹ گئے

اب کے برس بھی شہر میں ایسی ہوا چلی
شاہین زادے اپنے پروں میں سمٹ گئے

یک رنگیٔ لباس نے وہ گل کھلائے ہیں
پرچھائیوں سے آپ کی ہم بھی لپٹ گئے

تم ایسے کونسے ہو روایت کے پاسدار
تم بھی تو اپنے قول سے اکثر پلٹ گئے

شکلیں کچھ ابھریں پردۂ سیمیں پہ اسطرح
نسّے جو وضع دار تھے منظر سے ہٹ گئے



کہاں ہے وہ ؟
(شریکِ غم جسے کہتی ہے دنیا)



کہاں ہے وہ ؟
شریکِ غم جسے کہتی ہے دنیا
کہاں ہے وہ شریکِ زندگی میری



بہت ہی مطمئن رہ کر
سکونِ دل لئے اک شب
کسی محفل سے اُٹھ کر جیسے ہی پہنچا میں اپنے گھر
وہاں آہ و بکا کا شور ایسا تھا
کہ جیسے آسمانِ غم، زمیں پر ٹوٹ کر گرنے لگا ہو
عمارت گھر کی ساری ڈھہ چکی ہو



مرے بچوں کی آنکھوں سے رواں تھے خون کے آنسو
عزیزوں کے دلوں سے رنج و غم کے بادلوں کا

ایک دریا بہہ رہا تھا
جو مرکز تھا مرے گھر کا بکھر کر رہ گیا تھا

o

اُس اک شب ایسی آندھی چلی تھی صحنِ گلشن میں
کہ جس میں زندگی بھر کا اثاثہ بہہ گیا تھا
چراغِ آرزو مدّت سے جو جلنے لگا تھا
اچانک بجھ گیا اُس شب

o

شریکِ زندگی کہتے ہیں جس کو لوگ سارے
شریکِ غم جسے کہتی ہے دنیا
مری دنیا سے آگے جا چکی تھی
بہت آگے

o

سفر تھا مستقل پیشِ نظر اُس کے کئی دن سے
ہمیشہ کلمۂ توحید اُس کے لب پہ رہتا تھا
مگر دل مضطرب تھا
کہ اُسکے دل کی ساری دھڑکنیں رک رک کے چلتی تھیں

اچانک نبضِ دل ڈوبی
فضائیں تھرتھرانے لگ گئی تھیں
گریۂ پیہم کی لرزیدہ صداؤں سے
سکونِ زندگی محشر بہ داماں تھا
حیاتِ جاوداں کا تھا سفر جاری

○

مکیں ماتم کناں، محوِ فغاں تھے
ہر اک گوشہ میں اک کہرام سا تھا چشمِ گریاں کا
اک ایسی شکل تابندہ نظر کے سامنے تھی نور افشاں
اک ایسا جسمِ پاکیزہ، فروزاں شمع کی مانند
اک ایسا جسم تھا چادر میں لپٹا
جو کل تک زر فشاں تھا

○

وہ ایسی خوش نظر، پھولوں کا پیکر تھی
لبوں سے پھول جھڑتے تھے بہ ہنگامِ تکلّم
صداقت آشنا طرزِ تخاطب
لب ولہجہ میں اُس کے سادگی، صبحِ بہاراں کی

نفاست گفتگو میں تھی
ہمیشہ ہی رہا کرتا تھا صبحِ نو کی صورت اُس کا چہرہ
ملائم دل، چمک آنکھوں میں
ٹھنڈی چھاؤں جیسی اُس کی پلکیں تھیں
سُبک اندام، روشن دل، محبت آشنا ہمدم
کہ جسکی آہٹوں سے گھر کا گھر بیدار رہتا تھا
ہر اک چپّہ پہ گھر کے
اُس کے قدموں کے نشاں
صبحِ درخشاں کی طرح روشن، نمایاں تھے
یہاں اہلِ وفا، اہلِ نظر سب جمع رہتے تھے
یہاں حُسنِ طبیعت، زندگی کا درس ملتا تھا
یہاں بے خانماں لوگوں کو اِک راحت رساں ماحول ملتا تھا

○

اک ایسی مہرباں، رحمت صفت، رخصت ہوئیں ہم سے
جو بچوں کے لئے چشمِ بصیرت کا خزینہ تھیں
زباں جسکی تھی شیریں
رس ٹپکتا تھا لبوں سے شہد کی مانند

تبسّم، زیرِ لب رہتا تھا
اکثر کُھل کے ہنستی تھیں
مثال اپنی تھیں وہ خود صاف گوئی میں
صباحت اُس کے چہرہ سے عیاں تھی
شرافت اُس کا زیور تھا، محبت اُس کا مسلک تھا
غریبوں، بے سہاروں کے لئے حرفِ تمنّا تھیں
وہ اپنے گھر کے ہر اک فرد کا سچّا مسیحا تھیں
وہ ایسی شمعِ روشن تھیں کہ اُس کو اور جلنا تھا
وہ ایسی راہئِ منزل تھیں اُس کو اور چلنا تھا



مرے گھر میں تو سب کچھ ہے مگر وہ گوشۂ ویراں
ابھی تک خالی خالی ہے
ہمیشہ وہ جگہ خالی رہے گی سجدہ گاہِ دل کی صورت میں



بہت خاموش ہے دل، رات بھر پلکیں بھگوتا ہوں
اُس اک زندہ بشر، خوش رنگ پیکر کے لئے اب بھی
کہ جس سے گھر کی ساری راحتیں شمعِ شبستاں تھیں



کہاں ہے وہ
شریکِ غم جسے کہتی ہے دنیا
شریکِ زندگی میری
کہاں ہے وہ
مکاں کا ایک گوشہ اب بھی خالی ہے
کہاں ہے وہ ___ ؟

••



موسم کی کوئی قید نہیں کارِ جنوں میں
دیوانہ ہر اک رنگ میں مقبول رہا ہے



دل، زندگی کے زخم کو سہتا تو ہے مگر
پہلی نظر کی چوٹ کبھی بھولتا نہیں



نیّر نظر شناس تو ہے اس کے باوجود
تم سے نظر ملانے کے قابل نہیں رہا



جامعۂ عثمانیہ



مادرِ جامعہ ـــــ مادرِ جامعہ
علم و تہذیب کی تو ہے زندہ نشاں
تیری آغوش میں دولتِ دو جہاں
مادرِ جامعہ ـــــ مادرِ جامعہ



کتنی بے خواب راتوں کی تعبیر ہے
ہو بہو روزِ روشن کی تصویر ہے
سارے عثمانین تیری پہچان ہیں
شمعِ فکر و نظر کی وہ اک شان ہیں
بن نہ جائے زمیں جب تلک آسماں
یوں ہی جاری رہے تیرا فیضِ رواں
ادرِ جامعہ ـــــ مادرِ جامعہ



تیرے دامن سے آتی ہے ٹھنڈی ہوا

تیری خوشبو سے مانوس بادِ صبا
تیری باہوں میں ملتا ہے کتنا سکوں
تیری چشمِ مروّت میں ہے کیا فسوں
تُو ہے سایہ فگن مادرِ مہرباں
چھاؤں دیتا رہے اپنی یہ سائباں!
مادرِ جامعہ ــــــ مادرِ جامعہ



تیری آنکھوں میں بہتا ہوا نُور ہے
تیرے چہرے پہ اِک جلوۂ طُور ہے
تیری سانسوں میں خوشبو کی مہکار ہے
تیرے ہونٹوں پہ برسوں کا اقرار ہے
تیرا ہر رنگ ہے عظمتِ گُل رخاں
تشنہ لب کے لئے جیسے آبِ رواں
مادرِ جامعہ ــــــ مادرِ جامعہ



تُو نے دنیا میں جینے کا سِکھلایا فن
تیری نسبت سے ہم میں ہے اک بانکپن

تیری ہر اک نظر میں ہے ابرِ کرم
مدّتوں سے نگہباں، تری چشمِ نم
تیرے آنگن میں اُتری ہوئی کہکشاں
ہم کو سکھلا گئی چشمِ نم کی زباں
مادرِ جامعہ ـــــــ مادرِ جامعہ

○

مشعلیں لاکھ دل کی جلائیں گے ہم
کس طرح قرض تیرا چکائیں گے ہم
دودھ کی خوشبو ہونٹوں سے جاتی نہیں
ممتا، پیار کو آزماتی نہیں
تیرے قدموں کی آہٹ ہے جنّت نشاں
تیرے قبضے میں رہتے ہیں دونوں جہاں
مادرِ جامعہ ـــــــ مادرِ جامعہ

○

آبرو تیری گھٹنے نہ دیں گے کبھی
سر سے چادر سرکنے نہ دیں گے کبھی
دورِ حاضر کی اے یادگارِ حسیں

تیری چوکھٹ پہ ہوگی ہماری جبیں!
تیری رفعت کی شہرت رہے جاوداں
عظمتیں ہیں تری آج بھی زرفشاں
مادرِ جامعہ ــــــ مادرِ جامعہ



تُو صداقت، شرافت کی تلقین کر
اپنے بچھڑے ہوؤں پر بھی ہو اک نظر
سب کو ارضِ دکن کی رہے آرزو
عزتِ نفس کی ہر قدم جُستجو
تیرے احسان ویسے بھی ہیں بیکراں
تو ہر اک حال میں ہم پہ ہے مہرباں
جگمگاتی رہے بزمِ عثمانیہ
لہلہاتی رہے بزمِ عثمانیہ
آبروئے دکن، بزمِ عثمانیہ
ہے شگفتہ چمن، بزمِ عثمانیہ
تیرا ہر دم رہے گا خدا پاسباں
یوں ہی بڑھتا رہے یہ ترا کارواں!
مادرِ جامعہ ــــــ مادرِ جامعہ

وہ درسگاہیں

○

خرد سے جب بھی اُلجھتا ہوں دل یہ کہتا ہے
کبھی کبھی ہی سہی پیچھے مُڑ کے دیکھ تو لو
کہیں یہ بینش بہا کوئی شئے گری تو نہیں
اُلٹتے رہنا تم اوراقِ زندگانی کو
کبھی کبھی ہی سہی اپنا جائزہ لینا
گذشتہ رُت کے مکینوں کو بھی صدا دینا

○

خِرد کی حد میں، میں رہتا تو ہوں مگر پھر بھی
کہا میں دل کا ہمیشہ ہی مان لیتا ہوں
تب ہی تو کہتا ہوں اِس عہد کے رفیقوں سے
وہ جن کے لہجے میں رِلتی تھی پیار کی خوشبو
وہ ہم میں رہتے ہیں پھولوں کی تازگی کی طرح

○

وہ علم و فن کے معلّم مری نگاہوں میں

عظیم ورثہ ہیں تہذیبِ اندگانی کا
وہ جن کی سانسوں میں خوشبو مہکتی رہتی تھی
ہیں ذہن و فکر میں اک تازہ روشنی کی طرح
تھی جن کی گفتگو تفہیمِ آگہی کی امین
ہے میری ذات میں اسرارِ بیخودی کی طرح
وہ جن کے طرزِ تکلّم سے دل کے آئینے
چمکتے رہتے تھے ذہنوں کی روشنی کی طرح
کچھ ایسے جب کبھی اُستاد یاد آتے ہیں
دیارِ دل میں بہت دیپ جگمگاتے ہیں



جو شکلیں کل تک اثاثہ تھیں درسگاہوں کا
وہ شکلیں آج بھی پھرتی ہیں میری آنکھوں میں
خیال و فکر کی اُس پہلی رہ گزر کے قریں
کھڑا تھا میں بھی کبھی کاسۂ تہی لے کر
نظر سے کتنے ہی منظر گذرتے رہتے ہیں
مری نظر نے کیا ہے کئی رُتوں کا سفر

○

○

وہ درس گاہیں کہاں ہیں کہ جن سے رشتہ تھا
مری حیات کا، تابندہ زندگی کی طرح
وہ درس گاہیں کہاں ہیں کہ جن سے رشتہ تھا
مرے وجود کا، ہونٹوں پہ تشنگی کی طرح
اکیلے پن میں یہ اکثر خیال کرتا ہوں
اگر نہ ملتے معلم نسیم گل کی طرح
چمن میں بن کھلے کتنے ہی پھول مرجھاتے

○

○

مہمان نوازی میں کمی رہ گئی شاید
گھر میں جسے رکھا دہی گھر لوٹ رہا ہے

○

مجھی کو تنگیِ دامن پہ ہے پشیمانی
بہت سے پھول کھِلے ہیں تری نگاہوں میں

○

روشنی ملتی کہاں ملے ہے؟



روشنی ملتی کہاں ہے روشنی دیتا ہے کون؟
قوم کے نیتا، سیاسی رہنما اہلِ کرم
سب اُجالوں کے خریداروں میں شامل ہو گئے
ہم مگر اپنی ہی کُٹیا، اپنے گھر میں قید ہیں
ایک مدّت ہو گئی بے نام رشتوں کی طرح



ہم اندھیروں کی سیہ چادر ہیں ہیں لپٹے ہوئے
یہ تو صدیوں کی روایت ہے کہ ہم سہتے ہوئے
ظلم و ستم
جی رہے ہیں اب بھی اپنی سانس کو روکے ہوئے



اپنے گھر میں ایک مٹی کا دیا بھی تو نہیں
ہم تو سو جاتے ہیں ویسے بھی تو پہلی شام سے

یہ تو پُرکھوں کی روایت ہے جو باقی ہے ابھی
روشنی گھر گھر ابھی پہنچی ــــــ کہاں



روشنی پہ سب کا حق ہے سب برابر کے شریک
لیکن اب بھی روشنی، پانی، ہوا پر بھی ہے پہرہ
تاجرانِ قوم کا ــــــ



اپنی بھی اِس ملک میں پہچان ہے اپنی شناخت
گرچہ ہم ہیں غربت و افلاس کے مارے ہوئے
گرچہ ہم صدیوں سے ہیں بچھڑے ہوئے
آخر اپنا بھی تو رشتہ
اپنی اِس دھرتی سے ہے
آسمانوں میں خلاؤں میں بھٹکنا
اپنا منصب تو نہیں
ہم کو روٹی چاہیئے، کپڑا، مکاں
چین سے عزت سے جینے کے لئے



ہم تو صدیوں سے اندھیروں میں جنم لیتے رہے
یہ زمیں محنت کشوں کے دم سے ہی زرخیز ہے
یہ زمیں وقتِ سحر شبنم سے ہی لبریز ہے

○

کوئی بھی شئے مانگنے سے تو کبھی ملتی نہیں
اپنی روٹی پر تو اپنا حق ہے، ملنا چاہیئے
یہ غریبی ورنہ روٹی چھین کر لے جائے گی

○

ایک دن آئے گا سارے گھر میں ہوگی روشنی
کوئی بھی روٹی کو ترسے گا نہ کوئی پیار کو
سب سے پہلے اپنے گھر آئے گی سورج کی کرن
دیکھ لینا ایک دن تو اے مرے ارضِ وطن

سوال یہ نہیں اُس چشمِ نم کی حد ہے کہاں



سوال یہ نہیں اُس چشمِ نم کی حد ہے کہاں
سوال یہ ہے کہ دامن کہاں سے لائیں گے



یہ انتشار یہ اُلجھن یہ بے یقینی سی
جنونِ فرقہ پرستی کا زہر پی پی کر
فضائے امن و اماں کی چتا جلاتے ہوئے
ہر ایک شہر ہر اک گاؤں گاؤں پھیلی ہے



یہ کیسی رُت ہے کہ نفرت کا بیج بوتے ہوئے
تمام شہر کی گلیوں سے شاہراہوں سے
گزر رہا ہے کوئی کارواں سزا کی طرح
یہ زہر پھیل رہا ہے یہاں وبا کی طرح



پھر اِس کے بعد ہی زہریلی اُن فضاؤں میں
بہت سے غم زدہ معصوم بے گناہوں کی
بغیر جرم و خطا سانس رُکنے لگتی ہے
بغیر جرم و خطا زندگی بکھرتی ہے



نہ جانے کل مرے ہندوستاں کے ماتھے پر
کرن کرن کا لہو پی کے کون لکھّے گا
نئی فضاء نئے ہندوستان کی تاریخ



ہمیشہ ہوتا رہا ہے ہمیشہ ہوگا یہی
جہاں کہیں بھی اندھیروں کی رسم چلتی ہے
وہیں یہ تازہ اُجالوں کا ذکر بھی ہوگا
جہاں بھی ہوگا سیہ رات کا سفر جاری
وہیں یہ نور کی بارات کوئی نکلے گی
یہ اِس لئے کہ یہی ریت ہے زمانے کی
اندھیرے جب بھی فضاؤں میں پھیل جاتے ہیں
اُجالے نور کی چادر کو سر پہ اوڑھے ہوئے

نئی بہار کا پیغام لے کے آتے ہیں
نئی سحر کے لئے تازہ روشنی کے لئے



وہ ایک روشنی جس کا ہے انتظار ہمیں
سفیر جس کو اُجالوں کا ہم سمجھتے ہیں
وہ ایک روشنی پھولوں کا پیرہن پہنے
کبھی تو پہنچے گی تاریک اُن مکانوں میں
چراغ جن کے ابھی تک بجھے بجھے سے ہیں



وہ ایک روشنی جس کا ہے انتظار ہمیں
تمام شہروں کی مصروف شاہراہوں سے
تمام گاؤں کی شاداب رہ گزاروں سے
سُریلے نغموں میں پھولوں کے گیت گاتے ہوئے
کبھی تو گذرے گی پھولوں کے قافلوں کی طرح
کبھی تو گذرے گی شفّاف آئینوں کی طرح

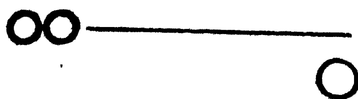


ہم اہلِ دل ہیں محبت شناس ہیں ہم لوگ

ہم اہلِ درد، بہت سوں کی آس ہیں ہم لوگ
پیامِ امن لیئے ہم جہاں سے گزریں گے
بہت سے لوگ ملیں گے قدم ملاتے ہوئے
سروں کی شمعیں ہر اک موڑ پہ جلاتے ہوئے

○

کسی بھی رُت کسی موسم کی کوئی قید نہیں
وطن پرستوں کا سر تو کہیں جُھکا ہی نہیں
وطن کی چھاؤں میں ہم لوگ سانس لیتے ہیں
زمیں پیاسی اگر ہے لہو بھی دیتے ہیں
فضاء میں پیار کی جینے کی ہم کو عادت ہے
یہی تو شہرِ محبت کی اک روایت ہے



○

دل، دار کا نقیب تھا لیکن تمہارے بعد
اب دل بھی اعتبار کے قابل نہیں رہا

○

ایسا کیوں ہم نے کیا؟



صبح کی پہلی کرن سے پہلے
رات بھر جاگ کے یہ جائزہ ہم نے بھی لیا
اب کے بھی پچھلے برس
کتنے احباب کو کس طرح سے کھویا ہم نے
کتنے ہی لوگوں کو بے وجہ رُلایا ہم نے
بے سبب کتنے ہی دامن کو بھگویا ہم نے
کتنے ہی لوگوں کو بے خانماں، برباد وں کو
سامنے آنکھوں کے لٹتے ہوئے دیکھا ہم نے
پھر بھی اُن زخمی دلوں کے لئے کچھ بھی نہ کیا
سر چھپانے کے لئے کوئی سہارا نہ دیا



اپنے ہمسائے جو تھے ٹوٹے ہوئے دل کی طرح
اُن کو اشکوں کے سمندر میں ڈبویا ہم نے

کتنے لب خشک ہوئے قہر نگاہی سے یہاں
کتنے ہی لوگوں کو ہمدرد مسیحا بن کر
دُور تھے ہم سے مگر پاس بُلایا ہم نے
کتنے معصوم تھے وہ زندہ جلایا ہم نے



رات بھر جاگ کے یہہ جائزہ ہم نے بھی لیا
ایسا کیوں ہم نے کیا



سانس لیتے رہے جو شہرِ محبت کے لئے
آخری سانس تلک بھی اُنہیں جینے نہ دیا
زندگی بھر جو محبت کا سبق دیتے رہے
اُن کو اِس شہر نے اک پل بھی تو سونے نہ دیا



کل تلک ساتھ جو لمحے تھے وہ سب چھُوٹ گئے
اپنے ہمسایہ جو تھے اُن کے بھی تیور بدلے
ہم اُلٹتے گئے بے نام سے ماضی کے ورق

لفظ و معنی کی جگہ دُھند کے بادل تھے وہاں
کتنے لفظوں نے بدل ڈالا ہے مفہوم اپنا
کتنے ہی حرف لہو بن کے اُبلتے ہی رہے
کتنے ہی لفظ دھواں بن گئے جلتے ہی رہے



کل بھی کچھ ایسا ہی منظر تھا ہر اک سمت یہاں
اُس طرف صبح کا آنچل تھا اِدھر تھے آنسو
اک تعفّن تھا اُدھر اور اِدھر تھی خوشبو
دیکھنا یہ ہے کہ یہ سال ہمیں کیا دے گا



صبح کی پہلی کرن سے پہلے
اِس برس بھی یہی سوچا ہے کہ چاہے کچھ ہو
روشنی کا کوئی دروازہ کھُلے یا نہ کھُلے
ہم نئی صبح کے دروازے پہ دستک دیں گے
ہر نفس ہم یہاں سورج کی تمنّا لے کر
ایک ایک شخص کے گھر جائیں گے کہنے کے لئے
زندگی جن کی ہے لوٹا دو اُنہیں

○

کوئی بھی رُت کوئی موسم سہی، ماحول سہی
ہم تو ہر حال محبت کے رواداری کے پیکر ہی رہیں

○

اِس برس بھی کسی رادھا کا یہاں گھر نہ جلے
کسی سلمیٰ سا مہکتا ہوا بستر نہ جلے

○

رات کے زخم ہی سہنا ہے تو ہم سہہ لیں گے
ایسے ہر زخم کو ہر سال سہا ہے ہم نے
دل یہ کہتا ہے کہ اک دن تو وہ آئے گا یہاں
ہم جدھر جائیں گے اُس سمت اُجالا ہو گا
اپنے آنگن میں بھی اک روز سویرا ہو گا

○

ارزاں تو اس قدر نہ تھا انسان کا لہو
تم کہہ رہے تھے شہر میں قاتل نہیں رہے

○

وطن فروش



یہہ بات میں نہیں یہہ بات لوگ کہتے ہیں
میں جانتا ہوں یہہ کہنا بھی بدشگونی ہے
مگر وہ لوگ جو کہتے ہیں اب کی بار یہاں
ہزاروں غم زدہ، معصوم، بے گُنہہ انساں
ملیں گے اب کے بھی بے سائباں مکاں کیطرح
یہہ اِس لئے کہ اِسی طرح ہوتا آیا ہے



کہاں کا موسمِ گُل اور کہاں کی فصلِ بہار
لگے گی آگ یہاں لہلہاتے کھیتوں میں
سروں کی فصلیں کٹیں گی پھر اب کے موسم میں
لہو سے اپنی زمیں بھیگ جائے گی لیکن
تڑپتی لاشوں کی مانند بددُعا دے گی
کچھ ایسے لوگوں کو جو قوم کے مسیحا ہیں
یہہ بات میں نہیں یہہ بات لوگ کہتے ہیں



ہتھیلیوں کی لکیروں میں جو بھی لکھا ہے
وہ ہوگا پورا کچھ ایسا ہی ہوتا آیا ہے
کسی نجومی کے کہنے سے مٹ نہیں سکتا
وہ داغ چہرۂ امروز کا جو حصہ ہے



قلم کی بات نہیں وہ تو بک چکا کب کا
قلم کو چھوڑیئے اب انگلیوں سے ٹپکے گا
لہو کچھ اتنا کہ رُد کے سے رُک نہ پائے گا
یہ بات میں نہیں یہ بات لوگ کہتے ہیں



وہ ایک لمحہ لہو میں نہا کے آئے گا
وطن فروش یہاں اپنی کرسیوں کے لئے
بنائیں گے کئی شہروں کو پھر سے قبرستان
ہر ایک شہر کی شہ رگ سے خون ٹپکے گا
ہر ایک گاؤں میں نفرت کا زہر پھیلے گا
کوئی تو رام کا لچھمن کا نام لے لے کر
کوئی تو سرمد و چشتی کی قسمیں کھا کھا کر

شریف لوگوں کو اِس طرح پھر لڑائے گا
کہ سارے مُلک میں زہراب پھیل جائے گا
یہہ بات میں نہیں کہتا یہہ لوگ کہتے ہیں



پھر اُس کے بعد یتیموں کی ہو گی لمبی قطار
ہر اک محلّہ ہر اک گھر سے پھر اُٹھے گا دھواں
ہمارے کانوں میں گونجیں گی پھر وہی چیخیں
ہمارے کان جو برسوں سے سُنتے آئے ہیں
سہاگنوں کا یہاں پھر سہاگ اُجڑے گا
کسی کی مانگ کا سیندور، کہکشاں کا سوال
معاشرے کے لبوں پر اُبھر کے آئے گا
اُچھالے جائیں گے نیزوں پہ دودھ پیتے ہوئے
جوان ماؤں کے سینے سے لپٹے سہمے ہوئے
غریب گھر کی جو دولت ہیں بے زباں بچّے



وہ جن کو لوگ محافظ سمجھتے آئے ہیں
اُن ہی کی گولی کا پہلا نشانہ ہوں گے وہی

کچھ ایسے لوگ بھی جو امن کے پیمبر ہیں
یہہ بات میں نہیں یہہ بات لوگ کہتے ہیں



گذشتہ وقت یہاں پر کچھ ایسے لوگ بھی تھے
سڑک پہ آئی نظر لاش تو اُٹھاتے تھے
کچھ ایسا لگتا ہے بے برگ و بار موسم میں
اُٹھانے والا ملے گا نہ لاش کو اپنی



گذشتہ وقت یہاں پر ہی اپنے دو بھائی
فسادیوں کی جو زد سے نکل کے آئے تھے
مگر یہ ڈر ہے کہ اب کے وہ بچ نہ پائیں گے
کہ اب کی بار تو بارود، اسلحہ جلتے
ہر ایک بستی ہر اک گھر میں پھیل جائیں گے
بچا سکو تو بچا لو تم اب کی بار یہاں
تمھارے اپنوں میں ٹیپو ہے اور کریم بھی ہے
تمھارے بھائیوں میں رام بھی رحیم بھی ہے

○

ایک سچّا آدمی

مصلحت سے دُور رہ کر ایک سچّا آدمی
ہم کو مِل جائے اگر
رقص فرما ہوگی ساری زندگی
اور ہم مہکا کریں گے
تازہ پھولوں کی طرح



مصلحت سے دُور رہ کر ایک سچّا آدمی
وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
بے خطر، بے خوف ہو کر گفتگو کرتے ہوئے
ہم کو مِل جائے اگر
اپنا دامن دیکھتے ہی دیکھتے بھر جائے گا
تازہ موسم کی مہکتی سی فضاؤں کی طرح



مصلحت سے دور رہ کر ایک سچّا آدمی

رفتہ رفتہ ٹوٹ کر آئینہ خانوں کے لئے
ہم کو مل جائے اگر
ہم تہی دامن نہ ہوں گے عمر بھر
زندگی بھر ہم نہیں ہوں گے کبھی خالی نظر

○

مصلحت سے دُور رہ کر ایک سچّا آدمی
لمحہ لمحہ زیست کی ہر موڑ پر
اپنے ہونے کی نشانی چھوڑ کر
سب سے ملتا ہو جو پھولوں کی قبا پہنے ہوئے
جس کی خوشبو سے مہک جاتی ہوں صبح و شام کی
سب ساعتیں
جو معطّر ہو نسیمِ صبح کے لہراتے آنچل کی طرح
ہم کو مل جائے اگر
ہم محبت کی فضاؤں میں نکھرتے جائیں گے
روشنی بن کر ہر اک دل میں اُترتے جائیں گے

○

لیکن ایسے بامروّت لوگ ملتے ہیں کہاں

کس قدر دشوار ہے ملنا نگارِ صبح کا
ہم کو مشکل سے ملیں گے ایسے سچے آدمی
جن کی آنکھوں میں رہا کرتی ہے
صبحِ نو کی ہر پہلی کرن
جن کے لب پر ہو تبسم چشمِ گریاں کی طرح
جن کے چہرے پر شرافت کے ملیں تازہ نقوش
جن کے لہجے میں ہو نرمی جن میں ہو دیوانہ پن
گفتگو میں جن کی ٹھنڈک ہر ادا میں بانکپن

---

o

اپنے گھر کی دوستو دہلیز تک باقی نہیں
یہ بسی اب دیکھنا ہے کس کے گھر لے جائے گی

o

آپ کے شہر میں ہم خانہ بدوشوں کے لئے
کوئی تو ہو گا جو جینے کی دعا مانگے ہے

o

گردش میں روز و شب کی اگر آپ بھی نہ ہوں
بن کر مرا رفیقِ سفر کون آئے گا

o

میرا کنبہ



سکون گھر کا میسّر جسے نہیں ہوتا
تمام عمر بھٹکتا ہے وہ خلاؤں میں



سکون گھر کا میسّر جسے نہیں ہوتا
دل و دماغ کی وہ کشمکش میں رہتا ہے
کسی غریب کے بے سائباں مکاں کی طرح
کسی غریب کی بے ربط داستاں کی طرح



خدا کا شکر ہے میرے غریب خانے میں
ہر ایک دور میں روشن رہے وفا کے چراغ
مرے چمن میں ہر اک رنگ کے ہیں گل بوٹے
مرے چمن میں کئی طرح کے کھلے ہیں پھول
غریب خانے کی مہکی ہوئی فضائیں ہیں
شگفتگی کا ہے منظر جدھر نظر ڈالیں



سحر کی پہلی کرن میرے گھر کے آنگن میں
مسرتوں کے دیئے ساتھ لے کے آتی ہے
فضائے خوش نظری جھوم جھوم جاتی ہے



ہے میرے حال پہ احسان ایسی خوشبو کا
کہ جس سے سارا چمن لہلہاتا رہتا ہے
کہ جس سے سارا چمن گنگناتا رہتا ہے
یہ ساری خوشیاں ہیں سوغات ایسی ہستی کی
کہ جس نے جل کے شب و روز روشنی دی ہے
تمام گھر کے لئے گھر کی بہتری کے لئے
رہی ہے خوشیوں کی مرکز مری رفیقِ حیات
کہ جس کے حسن سے روشن ہوئے مرے حالات



تمام بیٹوں میں عارف ہو یا کہ ہو وہ سلیم
تمام بیٹوں میں منہاج ہو کہ وہ پرویز
خلوص دل سے ہر اک رشتۂ وفا کی طرح

تمام گھر کی فضاؤں میں رنگ بھرتے ہیں

○

یہ میرے بیٹے اثاثہ ہیں زندگانی کا
یہ بیٹے آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں میرے دل کا سرور
ہر ایک بیٹا ہے پابندِ رسم و راہ مرا
یہ بیٹے رسمِ محبت کے پاسدار بھی ہیں
دکھائی دیتے ہیں شائستہ زندگی کی طرح
مرے چمن کے ہر اک حسن کو بڑھاتے ہوئے
غریب خانے کی تا دیر روشنی کی طرح

○

میں خوش بہت ہوں کہ تنظیمِ زندگانی میں
ہر ایک بیٹے کا حصّہ برابری کا ہے
یہ بھائی بھائی بھی آپس میں اچھے دوست بھی ہیں

○

میں خوش بہت ہوں کہ تہذیبِ زندگانی کا
ہر ایک گوشہ معطّر ہے خوش جمال بھی ہے
یہ میرے بیٹے ہیں آدابِ زندگی کے امیں

یہ میرے بیٹے ہیں ہر تازہ روشنی کے امیں

○

یہ تینوں بہوئیں بھی شائستگی کا پیکر ہیں
ہیں بُردبار، اطاعت گزار، نیک صفت
وفا شناس ہیں اطہر ہو یا کہ نصرت ہو
وفا پرست رئیسہ بھی آپ اپنی مثال
یہ تینوں اپنی طبیعت میں خوش خصال بھی ہیں
یہ تینوں چشمِ مروّت ہیں، خوش جمال بھی ہیں

○

ہے اتحاد کی دولت سے گھر مرا آباد
خدا کا شکر ہے کوئی نہیں یہاں ناشاد

○

یہ میری بیٹیاں طلعت ہو یا کہ عشرت ہو
یہ اپنے گھر میں بہت مطمئن ہیں خوش خوش ہیں
ایک اور بیٹی محبت شناس زینت ہے
جو گھر کے سارے مکینوں کے دل کی دھڑکن ہے
چمن میں رہتی ہے نسرین و نسترن کی طرح

مہکتے جھومتے پھولوں کے پیرہن کی طرح



یہ نسل دوسری حاصل ہے میرے خوابوں کا
شگفتہ پھولوں میں صرف ایک کہکشاں ہی نہیں
شگفتہ پھولوں میں نیلم ہے گلفشاں بھی ہے
شگفتہ بزم میں مل جائیں گے شمیم و نسیم
مہکتے رہتے ہیں ہر دم یہاں و تسنیم و عظیم
شگفتگی میں سہیل و ہلال نہ فیصل بھی
دکھائی دیتے ہیں اب فصل کی طرح فرحال
کہ جیسے دامنِ دریا میں کوئی آب رواں
یہ ایسے پھول ہیں جن کی شگفتگی کے لئے
نسیم صبح بہاراں پیام لاتی ہے
بہارِ نو کے کئی گیت گنگناتی ہے



ہے نسل دوسری نجم السحر مری ذیشاں
یہ میرے نظمِ گلستاں کی پہلی خوشبو ہے
وجود جس کا درخشاں ہے صبحِ نو کی طرح

یہ میری عظمی[۱۳] ہے خاموش، مہکی مہکی سی
جو اپنے نرم ملائم لبوں کی جنبش سے
تمام گوشۂ محفل کو جگمگاتی ہے



یہ میری افشاں[۱۴] ہے اک بھولی بھالی گڑیا سی
ہمیشہ اپنے کھلونوں میں مست رہتی ہے
یہ احتشام[۱۵] ہے روشن چراغ گھر کا مرے
یہ پہلا پھول ہے گلشن کی سادگی کے لئے



فروزاں[۱۶]! شمعِ محبت کی روشنی کی طرح
تمام گھر میں اُجالے بکھیر دیتی ہے



یہ سیف[۱۷] اور شبستاں[۱۸] نئی سحر کی طرح
تمام گھر کے مسرّت نواز لمحوں میں
شریک رہتے ہیں تابندہ روشنی کی طرح



ایک اور تازہ کلی گلستاں میں چٹکی ہے

۱۹

بنام شاداں مہکتی ہوئی فضاؤں میں
ہمیشہ چاندنی بن کر فضاء میں چمکے گی
اِسی طرح میری دنیا ہمیشہ دمکے گی

o

یہ میرا کُنبہ ہے سرمایہ زندگی کا ہے
کہ جس کے دم سے مرے صبح و شام روشن ہیں
یہ سب کے سب ہی نگارِ جمالِ گلشن ہیں

o

۱۔ انجم کہکشاں ۲۔ نیلم زرفشاں ۳۔ شبنم گلفشاں ۴۔ رضی الدین شمیم ۵۔ لئیق الدین نسیم ۶۔ عتیق الدین وسیم ۷۔ تشفیق الدین عظیم (دختران و فرزندان) طلعت سلطانہ ۹۔ مصباح الدین سہیل ۱۰۔ مفتاح الدین فصیل ۱۱۔ فلاح الدین فیصل ۱۲۔ حسن بلال (فرزند عشرت عرفانہ) ۱۳۔ نجم السحر ذیشاں (دختر سراج الدین سلیم) ۱۴۔ عظمیٰ عارف (دختر شمس الدین عارف) ۱۵۔ بصیرت نورافشاں (دختر سراج الدین سلیم) ۱۶۔ احتشام الدین عارف (فرزند شمس الدین عارف) ۱۷۔ فروزاں (دختر منہاج الدین خسرو) ۱۸۔ سیف الدین عارف (فرزند شمس الدین عارف) ۱۹۔ رحمت شبستاں (دختر سراج الدین سلیم) ۲۰۔ شاداں منہاج (دختر منہاج الدین خسرو) ••

کہاں گئے وہ لوگ؟

(حیدرآباد)

اُس ایک شہر کی تاریخ لکھ رہا ہوں میں
کہ جس کی صبح سے نسبت ہے مجھ کو دیرینہ
کہ جس کی شام سے اک رابطہ ہے صدیوں کا
کہ جیسے بادِ صبا سے ہو رشتہ پھولوں کا



میں اپنے شہر کی تاریخ لکھنے بیٹھا ہوں
اُس ایک شہر کی جو خوشبوؤں کے موسم میں
مہکتا رہتا تھا، پیراہنِ غزل کی طرح
جو آج تک بھی غزل خواں ہے اپنے کل کی طرح



اُس ایک شہر کی تاریخ لکھ رہا ہوں میں
کہ جس کے شام و سحر اک حیاتِ نو کی طرح
نگارِ جشنِ بہاراں سے گفتگو کے لئے
نویدِ صبح کا پیغام لے کے آتے تھے

سحر سے پہلے چراغِ نظر جلاتے تھے



اُس ایک شہر کی تاریخ لکھ رہا ہوں میں
جہاں کے لوگ ہمیشہ بہ تشکلِ کہکشاں
معاشرے کی ہر اک موڑ پر فروزاں تھے
فضاء میں نور کی سوغات لے کے آتے تھے
اندھیری راتوں میں تا دیر جگمگاتے تھے



اُس ایک شہر کی تاریخ لکھ رہا ہوں میں
جہاں کے شاہوں کا اپنا تھا ایک طرزِ حیات
ہمیشہ جن میں فقیرانہ بے نیازی تھی
وہ شاہ ایسے، فقیری بھی جن پہ نازاں تھی
وہ شاہ ایسے کہ جن پر رعایا قرباں تھی
وہ شاہ جن کی ہر اک دل پہ حکمرانی تھی



قلم ہے ہاتھ میں کاغذ پہ شکلیں اُبھری ہیں
کچھ ایسے صاحبِ کردار خوش جمالوں کی

کہ جن کے نغمے فضاؤں میں، رقص فرما تھے
کچھ ایسے صاحبِ فکر و نظر، رئیسِ قلم
تصورات میں پرچھائی بن کے اُبھرے تھے
شعور و فکر کے دریا بہاتے رہتے تھے

○

قلم ہے ہاتھ میں کاغذ پہ نقش اُبھرے ہیں
اُس ایک دَور کے شفاف، پاک چہروں کے
کہ جن کا فیضِ رواں، لطفِ بیکراں کی طرح
زمانہ گزرا مگر آج تک بھی جاری ہے

○

وہ صبح و شام جو ضامن تھے پاک رشتوں کے
وہ صبح و شام تھی جن کی نظر نظر روشن
وہ صبح و شام تھے دل جن کے روشنی کے امین
وہ صبح و شام جو ہر لمحہ نور افشاں تھے
وہ صبح و شام نہ جانے کدھر گئے ہوں گے
وہ صبح و شام کہاں ہیں؟ بکھر گئے ہوں گے

○

اُس ایک شہر کی تاریخ لکھ رہا ہوں میں
جہاں پہ عقل و فراست کی کامرانی تھی
جہاں پہ تشنہ نگاہی کی پاسداری تھی
خلوص باہمی ورثہ میں مل گیا تھا جہاں
جہاں پہ علم کے چشمے اُبلتے رہتے تھے
یہ سوچتا ہوں میں اکثر کہاں گئے وہ لوگ



زمین چھوڑ کے ہرگز کہیں نہ جائیں گے
یہاں کی مٹی سے اپنا بھی ایک رشتہ ہے
یہاں کی مٹی نے گودی میں ہم کو پالا ہے
کہ جس میں اپنے بزرگوں کی سوندھی خوشبو ہے
کہ جس میں اپنے بھی پرکھوں کے دل دھڑکتے ہیں
جو دوستی کی علامت تھے طرحدار بھی تھے
شکستہ حال اگر تھے تو باوقار بھی تھے



یہ بات سچ ہے کہ وہ شہر کی فضا نہ رہی
وہی فضا جو ملی تھی ہمیں بھی ورثہ میں

مگر یہ کم بھی نہیں آج مل کے رہتے ہیں
خوشی بھی رنج بھی آپس میں مل کے سہتے ہیں
یہی تو شہرِ محبت کی اک روایت ہے
یہی تو قیمتی اس شہر کی یہ دولت ہے
ہم اپنے شہر میں صدیوں سے ملتے آئے ہیں
اِسی طرح یہاں صدیوں تلک رہیں گے ہم

○

میں چل رہا تھا وقتِ گریزاں کے ساتھ ساتھ
پھر بھی جدھر سے گزرا ترا سامنا ہوا

○

جینا بھی ہے یہاں مجھے مرنا بھی ہے یہاں
کب جیتے جی میں آپ کا در چھوڑ جاؤں گا

○

اتنی زحمت نہ کریں آپ ہماری خاطر
جن کی منزل ہے وہ خود ڈھونڈ لیا کرتے ہیں

○

میں بے گنہ تھا قتل مرا ہو گیا مگر
میرا وجود دیر و حرم میں بکھر گیا

سلسلہ



یہہ تخت جس پہ بہ صد احترام بیٹھی ہوں
عجیب طرح کا جذباتی اس سے رشتہ ہے
یہہ تخت وہ ہے عقیدت ہے جس سے برسوں کی
بہت سی یادیں ہیں وابستہ چشمِ نم کی طرح



یہہ تخت میری رفاقت کا آئینہ بھی ہے
یہہ تخت میری لگاوٹ کا سلسلہ بھی ہے
اِسی پہ میں نے بہائے ہیں کتنے ہی آنسو
اِسی پہ میں نے کئی قہقہے لگائے ہیں
اِسی پہ میں نے وفاؤں کے گیت گائے تھے
یہیں چراغِ محبت کئی جلائے تھے



یہہ سوچتی ہوں کہ ماضی کے دن بھی کیا دن تھے
تمام بھائی، بہن، ساتھ ساتھ رہتے تھے
ہر اک کے دُکھ کا مداوا ہمیشہ رہتا تھا

ہر ایک دُکھ سُکھ میں بھی رہتے تھے سب کے سب شامل
کسی کی آنکھ سے اِک اشک بھی اگر ٹپکے
تو جلد ہی کوئی دامن کہیں سے بڑھتا تھا
یہ سوچتی ہوں کہ ماضی کے دن بھی کیا دن تھے

•

ملبہ



اِن میں تُلسی داس بھی، سعدی بھی تھے غالب بھی تھے
کیسے کیسے لوگ اِس ملبے میں دب کر رہ گئے

•

زندگی کا نام لے کر کِس کو ہم آواز دیں
سارے گاؤں سو گئے ہیں موت کی آغوش میں

•

زلزلہ آنے سے پہلے ہم نے یہ سوچا نہ تھا
آخرِ شب ساری شمعیں گاؤں کی بجھ جائیں گی

•

بارانِ رحمت



ہونٹ گر خشک ہیں، ہونٹوں پہ تری بھی ہو گی
تشنگی عام سہی، پیاس بجھے گی اپنی
اتنا کر لیجیے یقیں
اتنے مایوس نہ ہوں
رحمتِ یزداں پہ بھروسہ کیجیے



ہم نے دیکھا ہے یہاں کثرتِ باراں سے کبھی
لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں حیاتِ ابدی
زندگی بن کے اُجالوں میں بکھر جاتی ہے



ہم نے دیکھا ہے یہاں کثرتِ باراں سے کبھی
کتنے تالاب، ندی، نالے اُمنڈ آتے ہیں
کھیتیاں کتنی ہی سیراب ہوئی جاتی ہیں



ہم نے دیکھا ہے کہ بارش میں نہاتی ہوئی یہ خشک زمیں
کتنے ہی جوہرِ نایاب کو دیتی ہے اماں



جب کبھی خشک زمیں تشنہ بہ لب ہوتی ہے
بادلوں کا دلِ تابندہ پگھل جاتا ہے
مینہ برستا ہی چلا جاتا ہے



صدقِ دل سے کبھی بارش کی دعائیں کیجیے
کوئی بھی پیاسا دکھائی نہیں دے گا ہم کو
زندگی رقص کناں آپ کو ہر موڑ پہ مل جائے گی
روشنی بن کے اجالوں کی تمنا لے کر



آئیے مل کے کریں کثرتِ باراں کی دعائیں ہم سب
راتنے مایوس نہ ہوں
رحمتِ یزداں پہ بھروسہ کیجیے



دیر تک یوں ہی دعاؤں کے لئے ہاتھ اٹھائے رکھئے

یہ زمیں اور بھی ہو جائے گی سیراب یہاں
پانی انسانوں کو سیراب کیئے دیتا ہے
مہرباں ہم پہ ہے یہ، ماں کی دعاؤں کی طرح

••———

نئے سال پر شعر



کل رات دیر تک میں یہی سوچتا رہا
آئے گا سالِ نو بھی ہر اِک سال کی طرح

•

کہاں رہوں میں اندھیروں میں یا اُجالوں میں
ہر ایک سال یہی اک سوال کرتا ہے

•

ہم سہہ چکے ہیں تشنہ لبی کے بہت سے زخم
اب کے برس تو کوئی نہ پیاسا رہے یہاں

•

کتنے لمحے کٹ گئے ہیں انتظارِ صبح میں
سالِ نو اب دیکھنا کرنوں کو لے کر آئے گا

•

سجّادگی

یوں تو ہر اک رنگ میں ہیں لوگ زیرِ آسماں
آپ جیسے خوش سلیقہ لوگ کتنے ہیں یہاں

فطرتاً جو با مروت، پاک طینت، خوش خصال
عادتاً ہوں نیک سیرت، باسلیقہ، باکمال

دل منوّر ہوں، لب و لہجہ میں ہو شائستگی
جیسے آتی ہو صبا، گلشن کو مہکاتی ہوئی

گفتگو سے جن کی اسرارِ خودی کھلتے رہیں
پُر اثر لہجہ سے جن کے علم کے دریا بہیں

چشمِ پُرنم لے کے ڈھونڈیں بھی تو ملتے ہیں کہاں
تذکرہ ہوتا ہو جن کا داستاں در داستاں

چہرے پڑھ لیتا ہوں اتنی تو مجھے پہچان ہے
آپ کے چہرہ پہ بھی بندہ نوازی شان ہے

آپ ہیں اُس روضۂ اقدس کا ایسا سلسلہ
اک گُلِ تر جیسے صحنِ گُل میں ہو مہکا ہوا

جس کسی پر بھی نگاہِ خانقاہی جم گئی
درد کی شمعیں عقیدت سے ہوئیں روشن گئی

بارگاہِ علم و دیں میں آپ ہیں شمع یقیں
تب کہیں جا کر ہوئے ہیں آپ بھی مسند نشیں

آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک نور برساتی ہوئی
خوش مزاجی آپ کی، محفل کو گرماتی ہوئی

دھڑکنیں جلتی ہوئی شمعوں کی خاطر وقف کیں
شہر گلبرگہ میں کتنی درس گاہیں کھول دیں

"شہرِ گل" میں آپ کی خدمات بھی ہیں بے مثال
علم و فن میں کٹ رہے ہیں آپ کے بھی ماہ و سال

جل رہے ہیں آپ بھی شمع فروزاں کی طرح
آپ ہر موسم میں ہیں فصلِ بہاراں کی طرح

صوفیوں، سنتوں کے حلقوں میں بہت مقبول ہیں
آپ بھی صحنِ گلستاں میں مہکتا پھول ہیں

قوم کی خدمت میں روشن آپ کے بھی صبح و شام
آپ کی صحبت میں جو بیٹھے ہوئے عالی مقام

آپ کا فیضان ہے خوشبو کے آنگن کی طرح
آپ کی خدمات بھی ہیں روزِ روشن کی طرح

آپ کو خدمات کا اعزاز مل جانے کے بعد
اپنے رب سے سر جھکا کر اب یہی چاہوں گا میں

آپ کو ہر حال میں احساسِ غم خواری رہے
کوئی بھی موسم ہو "خوشبو کا سفر" جاری رہے



---

o

خود شناسوں کی نظر ہے تجھ پہ میلوں میں نہ جا
اے متاعِ زیست! تو اُس بھیڑ میں کھو جائے گی

o

اسبابِ بغاوت تو معلوم ہیں ہم کو بھی
زنجیرِ وفا داری کس شخص کو پہنائیں

o

دستک نہیں دی جاتی یہاں ایسے بھی گھر میں
جب چاہو چلے آؤ کہ دروازہ کھلا ہے

o

آنگن میں پہلا پھول

(بیٹی کی ولادت پر ماں کے تاثرات)



جس دن سے مرے گھر میں بھی اک پھول کھلا ہے
خوشبو کا ہر اک جھونکا یہیں آ کے رکا ہے
برسوں کی تمناؤں کی تسکین کی خاطر
اللہ کے کرم نے مجھے یہ تحفہ دیا ہے
کیا ایسی کشش ہے کہ محبت کی نظر سے
ہر فرد مرے گھر کا تجھے دیکھ رہا ہے
روشن تری قسمت ہے یہ روشن ہی رہے گی
یہ میں نہیں کہتی ترے چہرے پہ لکھا ہے
لگتا ہے کہ سب خوشیاں سمٹ آئی ہیں یک جا
ماحول کا ہر لمحہ یہاں جھوم رہا ہے
تجھ سے نئی رونق ہے مرے خانۂ دل میں
تو اک گلِ تر کی طرح آنگن میں کھلا ہے



اُگادی



پیغام نئی صبح کا پھر لائی اُگادی
پھولوں کا لباس اوڑھ کے اب آئی اُگادی

اس سال بھی مہکی ہوئی سی تازہ ہوا کو
آنچل میں سمیٹے ہوئے لے آئی اُگادی

لگتا ہے کہ دھرتی پہ نئی فصل اُگے گی
آکاش کی جھرمٹ سے نکل آئی اُگادی

تبدیلئ موسم کا یہی وقت ہے شائد
ماحول کے ہر ذرّہ پہ اب چھائی اُگادی

جنگل میں ہرے باغوں میں پھر پھول کھلے ہیں
سوغات نئے سپنوں کی لے آئی اُگادی

وابستہ ہیں اس رُت سے کسانوں کی اُمنگیں
دامن میں ہرے کھیتوں کو لے آئی اُگادی

ملہار ہے باغوں میں نئے جھولے پڑے ہیں
سج دھج کے کچھ اِس طرح سے اب آئی اُگادی

پیغام ہمیں کوک سے کوئل کی ملا ہے
موسم کا بھرم آنکھوں میں لے آئی اُگادی

سکھلانے زمانے کو سبق نیکی بدی کا
اس سال نئی شکل میں پھر آئی اُگادی

مایوس نہ ہو اب کے برس کوئی بھی اے دوست
پوچھے نہ کوئی ہم سے کہ کیا لائی اُگادی

خیر مقدم

آئے ہیں آپ اب بھی اُسی بانکپن کے ساتھ
کیا رشتہ لطیف ہے ارضِ دکن کے ساتھ

آپ آرہے ہیں شہر میں اک بانکپن کے ساتھ
ہم منتظر ہیں آپ کے پہلی کرن کے ساتھ

•

شاہین دل، نگاہ بلند، آئینہ صفات
روشن ضمیر، چشمِ فروزاں ہے تیری ذات

•

پائی ہے کس نے آج اُجالوں کی رہ گذر
پھیلا رہی ہے نور کی چادر نئی سحر

•

کردار ہمارا



جب ظلم سے ٹکراتا ہے کردار ہمارا
کچھ اور سنور جاتا ہے کردار ہمارا
پھولوں کا سفر ہو کہ وہ صحرا کا سفر ہو
ہر موڑ پہ مل جاتا ہے کردار ہمارا
کچھ ایسی محبت ہے اُسے ارضِ دکن سے
ہر ذہن کو مہکاتا ہے کردار ہمارا
بن جاتا ہے خود پیاس کی تشنہ لبوں کی
یوں دل میں اُتر جاتا ہے کردار ہمارا
کچھ بات ہی ایسی ہے اُدھر جاتی ہے دنیا
جس سمت جدھر جاتا ہے کردار ہمارا
وہ محفلِ احباب ہو یا بزمِ سیاست
پُرعزم چلا جاتا ہے کردار ہمارا

جس وقت جہاں ہوگی مسیحا کی ضرورت
اُس وقت پہنچ جاتا ہے کردار ہمارا

ایوان دہل جاتے ہیں اِس بزم کا کیا ذکر
جو بولنے لگ جاتا ہے کردار ہمارا

آ جاتی ہے جس وقت بھی منجدھار میں کشتی
طوفاں سے بچا لاتا ہے کردار ہمارا

پگھلاتی ہے ایوانوں کو جب گرمیٔ تقدیر
ہر سمت نظر آتا ہے کردار ہمارا

جب عزتِ اسلاف پہ بن آتی ہے دوست
میدان میں ڈٹ جاتا ہے کردار ہمارا

مشاعرہ

دانشوری ہے، علم ہے، سوغاتِ روح ہے
تہذیبِ زندگی کا نشاں ہے مشاعرہ

فکر و خیال، ذہنِ رسا، روشنی تمام
تسکینِ ذوق، علم کی دولت مشاعرہ

تہذیبِ شعر، فکر کی دولت، صدائے دل
روشن کئی زمانوں کا سنگم مشاعرہ

وہ ایک شخص



شگفتہ چہرہ شرافت مثال کہئے جیسے
وہ ایک شخص کہ شمعِ خیال کہئے جیسے
نظر شناس، محبت نواز کہئے جیسے
رئیسِ فکر و نظر دل گداز کہئے جیسے



وہ ایک شخص جو تہذیب آشنا کی طرح
ہمارے شہر میں آیا تھا روشنی کی طرح



وہ شخص جس نے اجالوں کی بستیوں کی طرح
ہمارے شہر کی دیوار و در کو چمکایا
وہ جس نے محفلِ شعر و ادب کو مہکایا
ہم اُس کی نرم نگاری کو یاد کرتے ہیں
یہ اسلئے کہ ہمیں اُس سے اک عقیدت ہے
کہ اُس کے طرزِ تخاطب میں اک شرافت ہے





جہاں کہیں بھی شرافت کا ذکر آتا ہے
ہم ایسے وقت میں اُس ذی وقار ہستی کو
بڑے جتن سے، سلیقے سے یاد کرتے ہیں



دیوالی

دیوالی پھول بھی ہے موسمِ بہاراں بھی
دیوالی شمع بھی ہے زینتِ شبستاں بھی

جدھر بھی دیکھئے موسم بڑا سہانہ ہے
نئی بہار کے لب پر نیا ترانہ ہے

دیوالی چشمِ مروّت بھی لطفِ پیہم بھی
دیوالی وقت کے ہونٹوں پہ اک ترنّم بھی

دیوالی سب کے لئے ہے نئی سحر کی طرح
دیوالی سب کے لئے چشمِ معتبر کی طرح

ایک ایسا پھول بھی تھا



یہی ہے ریت یہی رسم ہے زمانے کی
ہمیشہ ایک سا موسم کبھی نہیں رہتا
کبھی خزاں کا چلن ہے تو فصلِ گُل کا کبھی



بہاریں آتی رہی ہیں چمن میں آئیں گی
مگر چمن میں کچھ ایسے بھی پھول کھلتے ہیں
کہ جن کی تازگی، شبنم کی آبرو کی طرح
تمام اہلِ گلستاں کا جائزہ لے کر
فضا میں پھیلتی جاتی ہے خوشبوؤں کی طرح



کچھ ایسے لوگ بھی آئے تھے شہرِ الفت میں
کہ جن کے لہجے سے شائستگی ٹپکتی تھی
کہ جن کی گفتگو پھولوں کا نام لے لے کر
ہر ایک دل میں اُترتی تھی کہکشاں کی طرح

ہر ایک دل میں وہ رہتی تھی مہرباں کی طرح
ایک ایسا پھول بھی تھا شہرِ گل کے دامن میں
مہک رہا تھا جو گلیوں میں شاہراہوں میں
مہک تھی جس کی قطب شہ کی سرزمیں کی طرح
مہک تھی جس میں کسی مہ جبیں حسیں کس طرح

عید کی سوغات



وفا کی پیار کی خوشبو ہے عید کی سوغات
کہ ہو رہی ہے ہر اِک سمت نور کی برسات

یہ کس کے قدموں کی آہٹ سے پھول کھلتے ہیں
شگفتہ رشتے یہاں صبح و شام ملتے ہیں

جہاں کہیں بھی تری عید ہو گی اگلے سال
کچھ اور نکھرے گا شائستہ زندگی کا جمال

نواب بہادر یار جنگ بہادر



آ گیا ہوں در پہ میں دستک دوں کس کے نام سے
یوں بہت کچھ قائدِ ملّت پہ لکھنا ہے مجھے
کس طرح لکھوں میں کس کے نام سے آواز دوں
چلتے چلتے رُک گیا ہے آج کاغذ پر قلم
شخصیت ہی ایسی کچھ ہے فیصلہ کیسے کر دوں
قائدِ ملّت کہوں یا عاشقِ خیر الاُمم



روشنی کا نام دوں یا زندگی کا بانکپن!
قوم کے خوابوں کی اک تعبیر یا نورِ سحر
یا کہوں میں اک مسیحا یا امیرِ کارواں
مردِ مومن، بندۂ حُر یا قلندر یا فقیر
عظمتِ ارضِ دکن یا رہنمائے بے مثال
پھول، شبنم، نکہتِ گُل، موسمِ گُل کا نکھار

چشمِ نم، بادِ صبا کہہ دوں کہ میں فصلِ بہار
شخصیت ہی ایسی کچھ ہے فیصلہ کیسے کروں
قائدِ ملت کہوں یا عاشقِ خیرالامم



ایسے اب ملتے کہاں ہیں قوم میں روشن ضمیر
جن کی آنکھوں میں چمک اسلاف کی تاریخ کی
جن کے چہروں پر فرشتوں جیسی ہو معصومیت
جن کے شائستہ لب و لہجہ میں ہو اک تازگی
جن کے ہلکے سے تبسم میں ہو پھولوں کا جمال
جن کی باتوں میں ہو شامل زندہ قوموں کا جلال



ایسے اب ملتے کہاں ہیں قوم میں روشن ضمیر
جن کی خوشبو شہر کی گلیوں میں بازاروں میں ہو
جن کی خوشبو مفلس و نادار انسانوں میں ہو
جن کی خوشبو وقت کے حالات کے ماروں میں ہو
جن کی خوشبو ذہن میں ہو، دل کے کاشانوں میں ہو



ایسے یوسف اب کہاں ہیں مصر کے بازار میں
جاذب ہوجائیں جو قوموں کے نئے کردار میں
چلتے چلتے رُک گیا ہے آج کاغذ پر قلم
قائدِ ملّت کہوں یا عاشقِ خیر الاُمم



وہ شگفتہ پھول جو تھا گلستاں کی آبرو
جس کی بھینی بھینی خوشبو سے معطّر تھے دماغ
جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں ملتا رہا سب کو سکوں
جس کے پیچھے قوم کا اک قافلہ چلتا رہا
شمع بن کر دوسروں کے غم میں جو جلتا رہا
رات دن جس سے معطر تھی دکن کی سرزمیں
آفتابِ تازہ بن کر جو چمکتا تھا یہاں
مردِ مومن کی طرح جو نُور برساتا رہا
ایسا اک پُرنور ہادی ایسا اک عالی مقام
ہوگیا اک روز وہ کبھی کالی راتوں کا شکار
سازشی لوگوں کی زد میں آگیا اِک ماہتاب
مکر، سفاکی، فریبِ زہر سے گہنا گیا

شہر میں پھر ایک خورشیدِ درخشاں بجھ گیا



صاحبِ ایماں ایسا رہنما اب ہے کہاں
اب قیادت کے لئے کوئی نظر آتا نہیں
یوں تو کہنے کو بہت ہیں جاں نثارانِ وطن
قائدِ ملّت کا ثانی ہے کہاں ارضِ دکن؟



صبحِ آزادی اُجالوں کی ضمانت تھی مگر
اِس ادا سے روشنی آئی کہ بینائی گئی

○

کب مرا ٹوٹا ہوا گھر پھر مکاں ہو جائے گا
کب زمیں پہ رہنے والا آسماں ہو جائے گا

○

آپ تو جائیں گے لیکن میں نے یہ سوچا نہ تھا
زندگی کا ہر سہارا بے زباں ہو جائے گا

○

ٹوٹا ہے دل کا آئینہ ترکِ وفا کے بعد
اب زندگی کے کوئی مقابل نہیں رہا

○

وصیّت

(عابدہ علیخاں)



وصیّت اِس لئے کی ہے کہ لوگو!
خود پرستی، خود ستائی
خود پسندی کا جہاں بھی سلسلہ جاری ہو
رُک جائیے



وصیّت اِس لئے کی ہے کہ یہ دنیا تو فانی ہے
یہاں پہ رہنے والے
سب کے سب لاچار و بےبس ہیں
حیاتِ جاوداں کس کو ملی ہے
بس اک اللہ ہی کا نام رہ جائے گا باقی



یہ رُتبے، مرتبے
یہ کب ہمیشہ ساتھ دیتے ہیں

جب انساں اپنی ہی پہچان میں غلطاں پریشاں ہو
جب انساں خود شناسی کے بھنور میں پھنستا جائے گا
وہ خود کو یاد رکھے گا
خدا کو بھول جائے گا



وصیت اِس لئے کی ہے کہ لوگو!
اپنا اپنا جائزہ لے لو
یہ سوچو کیا کیا تم نے
یہاں کس چشمِ نم
کس دیدۂ پُرنم سے تم نے گفتگو کی ہے
یہاں کس مستحق، مظلوم کی حاجت روائی کی
سہارا ایسے کتنے بے زباں، خوددار لوگوں کو
دیا تم نے
جو اپنی نظریں تم پر ہی جا بیٹھے ہیں برسوں سے



یہاں برسوں سے آنسو بہہ رہے ہیں خشک آنکھوں سے
یہاں پر کس نے اُن ٹوٹے ہوئے

رشتوں کو جوڑا ہے
جو اک حرفِ تمنّا کی سزا پر اشک افشاں ہیں
یہاں پر کتنے ہی بے مطمئن لوگوں کے ہونٹوں سے
ہنسی چھینی گئی ہے تم کو ہے معلوم
بتاؤ کیا کیا تم نے

O

کچھ ایسے لوگ ہیں بے نام سے گمنام سے
در در بھٹکتے ہیں
بتاؤ کیا کیا تم نے
بتاؤ تم نے کیا اُن بے زبانوں کا تبسّم
اُن کو لوٹایا

O

سہارا کون دیتا ہے انہیں جو اپنے قدموں پر
کھڑے رہنے کی خواہش میں
بسر کرتے ہیں ساری عمر ان بے سائباں
کچےّ مکانوں میں

O

وصیّت اِس لیئے کی ہے کہ
ساری شان و شوکت ایک لمحہ کی امانت ہے
نہ اپنے آپ کو دنیا کی آلائش میں اُلجھاؤ



وصیت اِس لیئے کی ہے کہ جب دنیا سے اُٹھ جاؤں
مرے حق میں دعائے مغفرت کرنا
کہ مجھ عاصی پہ بھی رحمت کی بارش ہو
گنہ دُھل جائیں میرے
صاف ستھری شکل لے کر میں
خدا کے خاص بندوں میں رہوں نورِ نظر بن کر
خدا کے خاص بندوں میں رہوں نورِ سحر بن کر



رسول اللہ کا دربار ہو
میں بھی رہوں اُن پاک سینوں میں
غلامِ مصطفٰے بن کر
فقیرِ آشنا بن کر
یہی میری تمنّا ہے

یہی ہے آرزو میری
وصیّت اس لئے کی ہے

زمیں پہ رہتا تھا وہ شخص آسماں کی طرح

(عابد علی خان)



ہر ایک رُت میں جو ملتا تھا مہرباں کی طرح
ہوائیں لے اُڑیں اُس کو بھی بادباں کی طرح

بلندیاں اُتر آتی تھیں جس کے آنگن میں
زمیں پہ رہتا تھا وہ شخص آسماں کی طرح

اچانک آپ کا محفل سے اس طرح جانا
کبھی یقیں کی طرح ہے کبھی گماں کی طرح

ہمیں تو کوئی نہ مطلب تھا دھوپ چھاؤں سے
ہمیشہ رہتا تھا اک شخص سائباں کی طرح

تلاش کرتی ہے اب اُس کو آبلہ پائی!
جو شخص کل تھا یہاں میرِ کارواں کی طرح

مسافرانِ شبِ غم کی بہتری کے لئے
تمام رات وہ رہتا تھا کہکشاں کی طرح

وہیں پہ رُکتے تھے نیستہ تھکے تھکے سے قدم
کہ اُس کا در تھا فقیروں کے آستاں کی طرح

خراجِ عقیدت

نذرِ عابد علیخاں



ہر ایک شخص کا چہرہ یہاں سوالی ہے
یہ کس کی داستاں گلشن میں ڈالی ڈالی ہے

سجی ہے بزم تو محسوس ہو رہا ہے ہمیں
فلک کے زینوں سے خوشبو اُترنے والی ہے

بہت سے لوگ تو بیٹھے ہیں مسند نشیں یہ مگر
وہ ایک خاص جگہ اب بھی خالی خالی ہے

عطا کیا ہے اُسی نے ہمیں شعورِ سفر
کہ جس کے قدموں کی آہٹ بھی اک مثالی ہے

دماغ ہی کا نہیں اِس سے دل کا رشتہ ہے
ہمارے پُرکھوں کی تہذیب ہی نرالی ہے

اُسی کے تام سے *سیاست* سجی ہے بزمِ سخن
فروغِ اُردو کی بنیاد جس نے ڈالی ہے

کتبے کے اشعار



ہے کون زینتِ فردوس، محوِ خواب یہاں
برس رہی ہے ہر اک لمحہ رحمتِ یزداں



ماں پر رسولِ پاک ؐ کی چشمِ کرم رہے
جب تک کہ صبح و شام کی آغوش نم رہے



چھائی ہوئی ہے قبر میں اک رحمتِ تمام
اونچا بہت ہے آپ کا فردوس میں مقام



جن کی تمام عمر بھلائی میں کٹ گئی
اُن کے لئے دعا ہے خدا مغفرت کرے



جس وقت روح آپ کی پرواز کر گئی
دل میں خدا تھا، ہونٹوں پہ ذکرِ رسول ؐ تھا



اِس قبرِ تر و تازہ کو مہکانے کی خاطر
ہر صبح چلی آتی ہیں جنّت کی ہوائیں

○

آتی رہے ہر لحظہ میں خوشبوئے مدینہ
ہے آخری یہ جنتی انساں کا ٹھکانہ

○

مہکاتے رہیں مرقدِ عظمت مقام کو
آتی ہے تازہ خوشبو مدینے سے صبح و شام

○

کل رات کلمہ پڑھتے ہوئے جس نے جاں دی
وہ نام لکھ رہا ہوں میں لوحِ مزار پر

○

یہ چھوٹا سا کرشمہ ہے مری جنّت نشاں ماں کا
کہ صبح و شام اس مرقد میں بھی پھولوں کی خوشبو ہے

○

ہر صبح کو آتے ہیں دعاؤں کو فرشتے
پھیلی ہوئی مرقد میں ہے خوشبوئے مدینہ

○

آندھی حیاتِ تازہ میں کچھ اس طرح چلی
شمعِ فروزاں وقت سے پہلے ہی بجھ گئی

○

پروردگار! دے اسے فردوس میں مقام
معصوم۔ بے گناہ پہ ہو رحمتِ تمام



جب تک رہی حیات بہت سُرخرو رہے
نیکی کے ساتھ عمر کٹی اس طرح جیئے
دربارِ مصطفےؐ میں طلب جیسے ہی ہوئی
قرآنِ پاک پڑھتے ہوئے جاں بہ حق ہوئے





کون قاتل ہے یہاں اپنے رفیقوں کے سوا
سب بھلے لوگ ہیں کس کس کو سزا دی جائے

o

میں کس کے واسطے خود کو سمیٹ کر رکھوں
یہ خبر تمھارے مرے گھر میں کون آتا ہے

o

شائستہ خرامی میں کبھی فرق نہ آیا
یہ لغزشِ پا بھی تری چاہت میں ملی ہے

o

گاندھی جی

○

اُصول، راستی، انسانیت، رواداری
شعور و آگہی، فکر و نظر کی بیداری
دِلوں میں درد، شرافت، شعورِ آزادی
وطن سے پیار، شہیدوں کا طرزِ سرشاری

○

یہ ساری باتیں کتابوں میں رہ گئیں محفوظ
عمل میں آتی کہاں ہیں، دکھائی دیتی ہیں
کچھ اپنے نیتا کی پُرجوش سی خطابت میں
کچھ اپنی قوم کے خود غرض رہنماؤں میں

○

مگر میں اِن دنوں یہ سوچ کر پشیماں ہوں
چمن میں رہ کے بھی شیرازۂ گلستاں ہوں
یہ سوچتا ہوں کہ کب سُرخیِ شفق ہوگی
مرے وطن مرے ہندوستاں کے ماتھے پہ

○



عظیم رہنما! بابائے قوم، گاندھی جی
عظیم رہنما! کس نام سے پکاروں تمہیں
اندھیرا چاروں طرف ہے اُجالا کم کم ہے
میں کشمکش میں ہوں اب کس کو رہنما سمجھوں



اگر میں نام لوں اِس دور میں شرافت کا
شکستہ حال غریبوں کا بے سہاروں کا
یہ دنیا چین سے ہرگز نہ رہنے دے گی مجھے
تمام عمر میں پیاسا رہوں گا محفل میں
سکون جیسی کوئی شئے نہ پاؤں گا دل میں



اگر میں نام نہ لوں گا مہاتما کا یہاں
مرا ضمیر مجھے بار بار ٹوکے گا
نہ جانے کب کہاں کس وقت میرے ہاتھوں سے
نہ جانے کتنے ہی معصوم بے گناہوں کا
تمام شہر کی گلیوں میں شاہراہوں پر

عزیزو! دل کے اُجالوں میں خون ٹپکے گا
یتیم ہونگے کئی پھول اپنے آنگن میں
نہ ہے گا خوف بہو بیٹیوں کی عصمت کا
دروپدی کے تحفظ، جمالِ عظمت کا



اگر میں نام نہ لوں گا مہاتما کا یہاں
نہ جانے کب یہاں کس وقت میرے دامن پر
یہ نام ظلم، لہو، داغ بن کے اُبھرے گا
بہت سی چادریں سر سے سرک جائیں گی
کہاں ملے گا سہاگن کی مانگ کا سیندور
نئی نویلی کئی دلہنوں کے آنچل کو
اُچھالا جائے گا مسموم سی فضاؤں میں
اُچھالا جائے گا بیتے خلاؤں میں



یہ سوچ میں ہوں کہ گاندھی کا نام لوں کہ نہ لوں
اگر میں نام نہ لوں گا تو یہ بھی ممکن ہے
کہ وید، گیتا کا قرآں کا نام لے لے کر

مہکتے جھومتے کتنے ہی گاؤں اُجڑیں گے
بہت سے شہر اُجالوں کی جو ضمانت تھے
پلک جھپکتے ہی ویرانیوں میں بدلیں گے
بڑھے گی فرقہ پرستی کی گرم بازاری !
نہ ہوگا دل میں کوئی احترام چاہت کا
جُھکے گا سر یہاں ہر شہر کی روایت کا



یہ سوچ میں ہوں کہ گاندھی کا نام لوں کہ نہ لوں
عجیب درد ہے، اُلجھن میں کٹ رہی ہے حیات
معاشرہ میں بتاؤ کہ کس طرح سے رہوں
جیوں گا دوستو! کس طرح ایسے عالم میں
میں تم پہ چھوڑتا ہوں آج فیصلہ دل کا
تمہیں تو ہوگا پتہ روشنی کے قاتل کا

●● ———————



بدنصیبی دیکھئے آوارہ گانِ شہر کی
اپنی گلیاں چھوڑ کر اوروں کے گھر جانے لگے

●

اندیشہ



ثمینہ ہو کہ وہ رفعت ہو یا ترنّم ہو
جمیلہ ہو کہ صبیحہ ہو یا کہ شبنم ہو
نفیسہ ہو کہ کویتا ہو یا کہ مریم ہو
قریبی دوست تمہارے ہیں جانتا ہوں میں
جو تم سے ملتی ہیں کالج میں روشنی کی طرح
جو تم سے ملتی ہیں کالج میں زندگی کی طرح



سہیلیاں ہیں تمہاری شگفتہ شائستہ
کہ جن کی گفتگو ذہنوں کی روشنی کی طرح
ہر ایک گوشۂ فکر و نظر کو مہکا کر
شرافتِ نگہ و دل کا درس باقی ہے
دکن کی دیرینہ تہذیب جگمگاتی ہے



قریبی دوست تمہارے ہیں جانتا ہوں مگر
کیا ہے تم نے غلط فہمیوں کا اُن کو شکار
دکھائی دیتی ہے مری تصویر دھندلی دھندلی سی
نہ جانے کس لئے کس جرم کی سزا کے لئے

○

قیاس میرا ہے تم نے یہی کہا ہوگا
وفا کی راہوں سے ہٹ کر کبھی چلا ہوں میں
پرائی آگ میں بے وجہ جل رہا ہوں میں

○

معاشرے میں ہیں جو لوگ تشنہ لب کی طرح
وہ جانتے ہیں کہ میں بھی اک ایسا شاعر ہوں
جو سب کی پیاس بجھاتا ہے اپنے اشکوں سے

○

مزہ تو جب ہے جئیں ہم بھی دوسروں کے لئے
حیاتِ تازہ کا مقصد ہو روشنی کے لئے

○

یہ تم بھی جانتی ہو ایک ایسا شاعر ہوں
خلوص بانٹتا رہتا ہوں ہر قبیلے میں
کچھ ایسے لوگوں سے میرا بھی گہرا رشتہ ہے
جو زندگی کے ستائے ہوئے پریشاں ہیں
حوادثات میں جیتے ہیں، چشمِ گریاں ہیں

○

یہ میرا جرم ہے شائد ہر ایک موسم میں
مہکتا رہتا ہوں موسم کی تازہ خوشبو سے
یہ میرا جرم ہے شائد کہ زخمی دل کی طرح

ہر ایک دیدۂ پُرنم سے میرا رشتہ ہے
ہر ایک چشمِ فروزاں سے سلسلہ سا ہے



تمہارے دوست ہوں یا لکچررس کالج کے
"یہ کیسا رشتہ ہے" پڑھ کر یہ تبصرہ کرنا
کہ شاعری میں ہے جذبات کی فراوانی
کہ شاعری میں ہے شاعر کا خونِ دل شامل
کہ شاعری اثر انگیز ہے مگر پھر بھی
گُماں ہوتا ہے شاعر نے بے وفائی کی
اُس ایک شخص سے جو اُس کا ہے گُلِ تازہ
جو آج تک بھی ہے مانندِ حرفِ تابندہ



گُماں ہوتا ہے شاعر نے بے وفائی کی
اُس ایک شخص سے جو رات بھر جل کر
کسی کے بجھتے ہوئے دل کو روشنی دی تھی
کسی کے غمزدہ چہرہ کو تازگی دی تھی



"یہ کیسا رشتہ ہے" پڑھ کر یہ تبصرہ کرنا
کہ میں نے کتنے ہی نازک لطیف رشتوں کو
سمجھ نہ پایا، پذیرائی بھی بہت کم کی





کچھ ایسے رشتوں سے منسوب ہو گیا ہوں میں
جو اپنے رہ کے بھی اپنے کبھی نہیں ہوتے
کچھ ایسے رشتوں سے وابستہ ہو گیا ہوں میں
جو میری زیست کی پاکیزگی کو چھوتے ہوئے
مہکتے جھومتے آتے تو تھے نہ جانے کیوں
کتابِ ماضی کا بکھرا ہوا ورق کہہ کر
بہت ہی تیز ہواؤں میں اُن کو چھوڑ دیا
بغیر جُرم و خطا کیوں سزا کی باتیں ہیں
اگر بہ غور کرو گے مطالعہ میرا
پتہ چلے گا کہ شائستہ زندگی کیا ہے
پتہ چلے گا مری شاعری کی دھڑکن میں
وفا کی پیار کی مہکی ہوئی سی خوشبو ہے



یقین کیجے مری شاعری کو پڑھ پڑھ کر
جو دل زدہ ہیں غمِ عشق کے ہیں مارے ہوئے
وہ اپنے ماضی کے اوراق اُلٹتے جاتے ہیں
یہ جاننے کے لئے زندگی کے وہ لمحے
جو اب بھی سایہ کی مانند ساتھ رہتے ہیں
وہ پھر سے لوٹ کے کب آئیں گے خدا جانے



○

میں چاہتا ہوں مری شاعری کو پھر سے پڑھیں
یہ جاننے کے لئے اُس میں کتنے آنسو ہیں
یہ جاننے کے لئے کتنے دل دھڑکتے ہیں

○

کسی سے میں نے کبھی کوئی بے وفائی نہ کی
مری حیات ہے شفّاف آئینے کی طرح
ہمیشہ رشتوں کا میں نے بھرم ہی رکھا ہے
دُکھی دلوں کا کیا ہے مداوا میں نے بھی

○

اُس ایک شخص سے اکثر یہی میں کہتا ہوں
کہ زندگانی کی راہوں میں آنسوؤں کے سِوا
مِلا ہی کیا ہے کسی اہلِ غم، دُکھی دل کو
مِلا ہی کیا ہے سمندر سے ایک ساحل کو

○

ہے مشورہ یہ کسی کا کہ اُن سے دُور رہوں
جو مجھ سے حرفِ صداقت کی طرح ملتے ہیں
کہ جن کا قُرب مری زندگی کے پَل پَل کو
بدل نہ دے کہیں افسردہ دوستی کی طرح

○

شراب بندی پر متفرق شعر



یہ پہلا پہلا قدم ہے سنبھالیئے خود کو
شراب زہر ہے اِس سے بچائیے خود کو



وہ جس کے شہر میں دانشوری کے چرچے تھے
وہ شخص مر گیا کل شب، شراب خانے میں



کہاں یہ لے کے میں اپنا یہ بہتہ سر جاؤں
اُتر گئی مری پگڑی شراب خانے میں



یہ کیسے اہلِ محلّہ ہیں جانتے ہی نہیں
شراب خانے سے نکلا تو اجنبی ٹھہرا



میں لڑکھڑاتے ہوئے گھر تلک نہ پہونچوں گا
شراب زہر ہے اتنی نہ اب پلاؤ مجھے



دل و جگر ہی نہیں جسم سارا گلنے لگا
کہاں سے دوستو ایسی شراب لائے ہو



یہہ لڑکھڑاتے قدم اور یہہ سُرخ سُرخ آنکھیں
یہہ سارے لوگ کسی میکدے سے آئے ہیں



عجیب طرح کا رشتہ ہے پھر بھی سُن لیجے
شرابِ زہرِ ہلاہل ہے اور کچھ بھی نہیں



حالانکہ بہت پہلے ہی کی پینے سے توبہ
کوئی بھی بُلاتا نہیں مئے خوار سمجھ کر



تمہاری طرح سے میں بھی گلاب جیسا تھا
شراب نوشی نے برباد کر دیا مجھ کو



○

لگی ہے آگ کچھ ایسی دل و جگر میں مرے
تمام جسم جلا ہے شراب پینے سے

○

حالات نے اِس موڑ پہ پہنچایا ہے مجھ کو
مئے خانے سے باہر میں کہیں جا نہیں سکتا

○

تمام رات مئے ارغواں پلا کے مجھے
کسی نے لا کے تمہاری گلی میں چھوڑ دیا

○

○

کلیوں کے لب پہ جم گئی موسم کی تشنگی
پھولوں کے زخم جب بھی چمن در چمن رہے

○

محبت درمیاں ہے دوستو الزام کس کو دوں
اِدھر دستِ زلیخا ہے اُدھر یوسف کا داماں ہے

○

تنہا نگاہِ شوق کو مجرم نہ جانیئے
اِس حادثہ میں دل بھی برابر شریک ہے

پھولوں کی داستاں ہے ہندوستاں ہمارا



پھولوں کی داستاں ہے ہندوستاں ہمارا
تہذیب کا نشاں ہے ہندوستاں ہمارا



خوشبو مہک رہی ہے پھولوں کے پیرہن سے
آنکھوں میں تازگی ہے رنگینیٔ چمن سے
گلشن کی کیاریوں میں بادِ صبا چلی ہے
ہر اِک کلی چمن کی انگڑائی لے رہی ہے



پھولوں کی داستاں ہے ہندوستاں ہمارا
تہذیب کا نشاں ہے ہندوستاں ہمارا



یونہی رہے گی باقی اپنے وطن کی عظمت
حُبِّ وطن سلامت کیا جان کی حقیقت
نظریں ملیں اجل سے اک زندگی کی خاطر

ظلمت نے منہ چھپایا اک روشنی کی خاطر



صدیوں سے پاسباں ہے ہندوستاں ہمارا
تہذیب کا نشاں ہے ہندوستاں ہمارا



ہیں وقت کی امانت ہم وقت کی صدا ہیں
بھٹکے ہوؤں کے حق میں ہم خضر باوفا ہیں
بکھرا رہے ہیں ہر سو ہم روشنی وطن کی
ہم کو بغور دیکھو رونق ہیں انجمن کی



سب پر یہ مہرباں ہے ہندوستاں ہمارا
تہذیب کا نشاں ہے ہندوستاں ہمارا

اسی لئے ہی تو ذہنی تھکن نہیں ہوتی
ترے خیال کی خوشبو سفر میں رہتی ہے



وفا کی آخری منزل ہے شائد
بڑی مشکل سے آنسو پی رہا ہوں

میرے پیارے وطن! میرے ہندوستاں



میرے پیارے وطن میرے ہندوستاں
تیری خوشبو سے مہکا رہے گلستاں



پھر سے انگڑائیاں لے کے آئی بہار
ہے چمن کا ہر اک گوشہ اب نغمہ بار
صبح روشن سے ہے زندگی کا وقار
شب کی زلفوں میں بکھری ہے اب کہکشاں
میرے پیارے وطن میرے ہندوستاں



میکدے میں نہ اب کوئی پیاسا رہے
چشمِ ساقی سے ہر اک شناسا رہے
جنبشِ لب سے ہر پھول تازہ رہے
سب پہ یکساں رہے تیرا فیضِ رواں
میرے پیارے وطن میرے ہندوستاں

O

ایک آواز ہر انجمن میں رہے
سرفروشی ایسی بانکپن میں رہے
تیری مٹّی کی خوشبو کفن میں رہے
تیرے قدموں میں ہے زندگی کا نشاں
میرے پیارے وطن میرے ہندوستاں

O

بنارشکِ فردوس ہندوستاں

○

بنارشکِ فردوس ہندوستاں
مہکنے لگے ہیں زمیں، آسماں

○

محبت، مروّت کی یہ سرزمیں
ہر اک ذرّہ دلکش ہر اک شئے حسیں

○

ہر اک نغمۂ جاںفزا، دلنشیں
زمیں پر اُتر آئی ہے کہکشاں
بنارشکِ فردوس ہندوستاں

○

ہے پھولوں کے رُخسار پر تازگی
فسردہ دِلوں کی بُجھی تشنگی
خود اپنے پہ نازاں ہے اب زندگی
ہر اک رت میں بڑھنے لگا کارواں

بنا رشکِ فردوس ہندوستاں



چمکنے لگی آج ارضِ وطن!
مہکنے لگی انجمن، انجمن
سنورنے لگا آج حُسنِ چمن
رگِ گُل میں ہے آج خونِ رواں
بنا رشکِ فردوس ہندوستاں



ہر اک سمت پھیلا ہے نورِ سحر
چمکنے لگے ہیں سبھی بام و در
اُجالوں میں لپٹی ہر اک رہگزر
ہر اک گھر میں بجتی ہیں شہنائیاں
بنا رشکِ فردوس ہندوستاں

ہم کو پیارا اپنا وطن ہے



ہم کو پیارا اپنا وطن ہے
پھول کئی ہیں ایک چمن ہے



شبنم شبنم اپنے آنسو
گلشن گلشن اپنی خوشبو
رقصاں صحنِ چمن میں کرتی ہے
ہم کو پیارا اپنا وطن ہے



جب بھی چمن ویران ہوا ہے
ہم نے دل کا خون دیا ہے
جب بھی ہمارے ہونٹ ہلے ہیں
ویرانوں میں پھول کھلے ہیں
مہکا مہکا پھول بدن ہے
ہم کو پیارا اپنا وطن ہے



آؤ! وفا کے پھول کِھلائیں
اندھیاروں میں دیپ جلائیں
رشتۂ دل گر ٹوٹ بھی جائے
اپنی وفا پر حرف نہ آئے
اپنی نظر میں حُسنِ چمن ہے
ہم کو پیارا اپنا وطن ہے



عزم سفر ہے منزل منزل
نورِ سحر ہے محفل محفل
راہِ وفا میں چلتے رہیں گے
بڑھتے قدم پیچھے نہ ہٹیں گے
عزمِ جواں ہے سر پہ کفن ہے
ہم کو پیارا اپنا وطن ہے



مجھے بہت عزیز ہے مرا وطن مرا وطن



مجھے بہت عزیز ہے مرا وطن مرا وطن
بکھر نہ جائے زندگی کی داستاں کرن کرن



روش روش، قدم قدم مہک رہے ہیں گلستاں
صبائے خوش خرام کے گزر رہے ہیں کارواں
زمیں پہ آسمان سے اتر رہی ہے کہکشاں
کسی طرح بھی کم نہ ہو مرے وطن کا بانکپن
مجھے بہت عزیز ہے مرا وطن مرا وطن



جوان عزم کی قسم! جوان خون کی قسم
وفا کی رہ گزار پہ اٹھے گا میرا ہر قدم
نظر نہ آئیں گے کبھی یہ راستوں کے پیچ و خم
ہوائے گرم سے کبھی بجھے نہ شمع انجمن
مجھے بہت عزیز ہے مرا وطن مرا وطن





نظر کی روشنی تو کیا میں دل کا خوں بہاؤں گا
روش روش پہ پیار کے کئی دیئے جلاؤں گا
قدم قدم پہ عظمتِ وطن کے گیت گاؤں گا
لبوں پہ مسکراہٹیں ہیں سر پہ ہے مرے کفن
مجھے بہت عزیز ہے مرا وطن مرا وطن





وہ بہت یاد آئے تیرؔ جن کے بازو کٹ گئے
پرچمِ صبحِ وطن جس وقت لہرائے گئے



فرزانگی نے کتنی ہی صدیاں گذار دیں
دیوانہ ایک لمحہ میں وہ کام کر گیا



گماں و وہم کی منزل ہے آپ کا ملنا
تمام عمر کا حاصل ہے کیا کیا جائے

مُتفرق اشعار

○

دامن پہ بھیگی پلکوں کی تحریر چھوڑ کر
وہ شخص جاتے جاتے بھی احسان کر گیا

•

دیوانگی شیریں کی محبت میں ملی ہے
یہ کوہ کنی ہم کو وراثت میں ملی ہے

•

کب ہم تھے یہاں پہلے نظر والوں میں شامل
یہ خوش نظری آپ کی چاہت میں ملی ہے

•

جس کا دنیا میں کہیں بھی نہ ہو ثانی دے دے
جانے والے! مجھے کچھ ایسی نشانی دے دے

•

تھک کے پھر بیٹھ گئی آج زلیخائے وطن
میرے مالک! تو اسے پھر سے جوانی دے دے

•

میں تری بزم تبسم سے بڑی مشکل سے
آبروئے دیدۂ پرنم کی بچا لایا ہوں

•

زندگی! یوں نہ مجھے چھوڑ کے جانا تنہا
اک نظر دیکھ لے میں بھی ترا ہمسایہ ہوں

•

●

خوش نظر ہوں اس لئے رہتی ہے میروں پہ نظر
پتھروں سے اپنا گھر بھرنا نہیں آتا مجھے

●

چھوڑ کر اپنا مکاں اب میرا گھر دیکھے گا کون
میرے پلکوں کی نمی وقتِ سحر دیکھے گا کون

●

تم تو چشم نم کو ہاتھوں میں چھپا کر لے گئے
میں کھڑا ہوں جس جگہ اُس موڑ پر دیکھے گا کون

●

ہم تو صحرا نصیب ہی ٹھہرے
تیرا کیا ہوگا اے "گلِ تازہ"

●

خلوص بانٹتا میں سب کے گھر گیا لیکن
تم آج آئے ہو جب میرا ہاتھ خالی ہے

●

تعلقات کو ٹوٹے ہوئے زمانہ ہوا
وہ اک نگاہ مگر آج بھی سوالی ہے

●

مسند نشیں ہوں آج تو حیرت ہے کس لئے
فرشِ نگاہِ دوست کبھی برسوں رہا ہوں میں

●



باد صبا کی طرح جو چھو کر گزر گئی
اب بھی اُسی نگاہ کا اک سلسلہ ہوں میں

•

ہر زخم اپنی ذات سے آپس میں بانٹ لیں
ہم میں کم از کم اتنا تو دیوانہ پن رہے

•

نظر ملا کے کہاں تم نے ساتھ چھوڑ دیا
وہ بے قرار نگہ آج تک بھی پیاسی ہے

•

جب آپ کے چہرے پہ کوئی زخم نہیں ہے
کیوں آئینہ ہاتھوں سے مرے چھوٹ رہا ہے

•

وہ فرشِ گُل سے بھی ہٹ کر کبھی چلا ہوگا
کہ اُس کے پاؤں میں اک زخم کا نشان بھی تھا

•

اک نسل میرے سامنے ہے کیا جواب دوں
ٹوٹے ہوئے مکانوں کی تعمیر رہ گئی

•

تم مصلحت پسند تھے سمجھوتہ کر لئے
شائد میں دشمنی کے بھی قابل نہیں رہا





تم اک لکیر کھینچ کے ہی مطمئن رہے
حدِّ تعیّنات سے آگے نظر گئی

اے دوست! کئی بار یہاں ٹوٹ چکا ہوں
تب جا کے ترے شہر میں آئینہ بنا ہوں

اِن تازہ اُجالوں کی ہو تقسیم برابر
اِس دن کے لئے میں بھی اندھیروں میں رہا ہوں

کیا بات ہے نظروں کو تشفّی نہیں ہوتی
حالانکہ میں برسوں سے تمہیں دیکھ رہا ہوں

اب کے برس جب آئیں تو اِس طرح آئیے
میری زمیں پہ اپنا بھی اک گھر بنائیے

شہر کو چھوڑ کے ہی تم کو اگر جانا تھا
میری آنکھوں میں نہ اِس طرح اُتر جانا تھا

تمام عمر دیا جس کو میں نے درسِ جنوں
وہ آج میرے مقابل ہے کیا کیا جائے



فصیلِ شہر کو جب تک گرا نہیں دیں گے
ہمیں یہ لوگ کبھی راستہ نہیں دیں گے

تمام عمر جو چہرے کو اپنے پڑھ نہ سکا
ہم اُس کے ہاتھوں میں اب آئینہ نہیں دیں گے

توفیق نہ ہو جب تک رشتوں کو سمجھنے کی
بھیگی ہوئی پلکوں کو مصروفِ دعا رکھنا

اس طرح دوستی کا اثر چھوڑ جاؤں گا
چہرے پہ تیرے عکسِ نظر چھوڑ جاؤں گا

ماتھے کا زخم تجھ کو دلائے گا میری یاد
آئینہ تیرے گھر میں اگر چھوڑ جاؤں گا

تجھ سے بچھڑ کے پھر کبھی رونا اگر پڑا
دامن میں تیرے دیدۂ تر چھوڑ جاؤں گا

فردوس یہ داماں سہی یہ سارے محلّے
کب تیری گلی چھوڑ کے جانے کے لئے ہے

•

آئینہ پائی سے گھبرا کر نہ کر ترکِ سفر
پاؤں جب دہلیز پر ہوں گے تو آنگن آئے گا

•

بدن ہمارے شہیدوں کا ڈھانپنے کے لئے
وطن کی خاک سے بڑھ کر کوئی لباس نہیں

•

خوں بہا مانگنا چاہیں بھی تو کس سے مانگیں
شہر کا شہر ہے قاتل کے طرفداروں میں

•

ابھی ابھی تو ستاروں نے آنکھ کھولی ہے
ابھی سے اُٹھ کے نہ جاؤ غریب خانے سے

•

سُنا ہے آپ کے دامن میں پھول کھِلتے ہیں
کبھی کبھی مری پلکوں کے بھیگ جانے سے

•

بساطِ گل ہو یا دامانِ صحرا
جنوں کا قافلہ چلتا رہے گا

•

دیارِ دل میں آپ آئیں نہ آئیں
چراغِ آرزو جلتا رہے گا

•



پیار خوشبو کا سفر ہے چل رہا ہوں صبح و شام
اک نہ اک دن راہ میں تیرا بھی گھر آجائے گا

•

نیند اپنی چھوڑ کر خوابوں کا بستر لے گیا
کوئی گھر آ کر مرے سب کچھ اٹھا کر لے گیا

•

جس نے آہٹ بھی نہ چھوڑی اس کو اب ڈھونڈو کہاں
اپنی خوشبو تک وہ آنچل میں چھپا کر لے گیا

•

کب مرا ٹوٹا ہوا گھر پھر مکاں ہو جائے گا
کب زمیں پہ رہنے والا آسماں ہو جائے گا

•

صبحِ آزادی اجالوں کی ضمانت تھی مگر
اس ادا سے روشنی آئی کہ بینائی گئی

•

تشنگی جب بھی مئے خانے میں لے آتی ہے
آپ کی پیاس مرے ہونٹوں پہ جم جاتی ہے

•

آپ نے اتنے کچھ احسان کئے ہیں مجھ پر
زندگی آنکھ ملاتے ہوئے شرماتی ہے

•

صدیوں کا یہ جھگڑا ہے آپس میں مِلا دیجے
بارش کا ہواؤں سے سمجھوتہ کرا دیجے

•

میں آپ کی چوکھٹ پہ اک پل بھی نہ ٹھہروں گا
مجھ کو مرے ماضی سے اِک بار مِلا دیجے

•

تہذیبِ نظر مجھ کو وِرثے میں ملی نیرؔ
گُستاخِ نظر ہوں تو محفل سے اُٹھا دیجے

•

نظر بچا کے مری چشمِ تر میں رہتی ہے
وہ ایک پیاس جو پہلی نظر میں رہتی ہے

•

ترے بدن کی مہک جو کسی بھی گُل میں نہیں
کبھی کبھی وہ نسیمِ سحر میں رہتی ہے

•

تمام عُمر کٹی اپنی وضع داری میں
اَنا تو صرف فقیروں کے گھر میں رہتی ہے

•

مجھے تم سطحِ دریا پہ نہ ڈھونڈو
بہت اونچی چٹانوں سے گِرا ہوں

•



جہاں چھوڑا تھا مجھ کو زندگی نے
ابھی تک اُس دوراہے پر کھڑا ہوں

•

مصلحت کو چھوڑئیے گھر کی حفاظت کیجئے
چھت گری ہے آج تو دیواریں کل گر جائیں گی

•

خدا کرے کہ وہ جب تک بھی محوِ خواب رہے
ہمیشہ ہاتھوں میں اُس کے مری کتاب رہے

•

کیا جانے اب کے رُت یہاں کیا کام کر گئی
چادر نئی بہار کے سر سے اُتر گئی

•

خیموں کو اپنے چھوڑ کے سب اپنے گھر گئے
جب فصلِ گل کے جسم سے زیور اُتر گئے

•

خوشبو سہاگ رات کی جن سے تھی معتبر
وہ لمحے زندگی کے نہ جانے کدھر گئے

•

وہ شخص لے گیا مری آنکھوں کی روشنی
میں جس کو اپنے گھر کا اُجالا نہ دے سکا

●

بہت سے نام تو کتبوں کی بن گئے زینت
میں کس کا نام لکھوں راستے کے پتھر پر

●

تم اپنا ہاتھ ذرا سوچ کر بڑھا دینا
بہت سے ہاتھ کٹے ہیں درازدستی میں

●

میں یہ کب کہتا ہوں اتنا بھی ستم کوش نہ ہو
آدمی کچھ بھی ہو احسان فراموش نہ ہو

●

میرے حالات بڑے شوق سے لکھو لیکن
کوئی لمحہ مرے ماضی کا فراموش نہ ہو

●

میری نگاہ جلوہ طلب ہے تو کیا کروں
خود آپ نے دیا ہے شعورِ نظر مجھے

●

عجیب بات ہے دورِ جدید کا انساں
نہ دوستی کے لئے ہے نہ دشمنی کے لئے

●

خوشبوئے بہاراں درِ زنداں پہ کھڑی ہے
میں ہوں کہ مرے پاؤں میں زنجیر پڑی ہے

●

•

یا رب! دیارِ غیر میں آوارہ گر پھروں
مٹّی مرے وطن کی مرے ہاتھ میں رہے

•

اتنے لگے ہیں زخم کہ دل بولتا نہیں
آئینہ اپنا بھید کبھی کھولتا نہیں

•

جانا تھا جن کو جا چکے میدان چھوڑ کر
ہم جیسے سرفروش ہی لشکر میں رہ گئے

•

کیا شہر تھا کس طرح سے برباد ہوا ہے
قاتل کے سوا شہر میں اب کون بچا ہے

•

رات بھر لڑتا رہا ہے شہر! اُجالوں کے لئے
صبح لے آئے ہو تم دستارِ سر جانے کے بعد

•

اِس فصلِ گل کا ایسا ہی اک حادثہ ہوں میں
پھولوں کی پتّیوں سے بھی کٹنے لگا ہوں میں

•

کب تک رکھو گے مجھ کو اندھیروں میں دوستو
برسوں تمھارے شہر میں جلتا رہا ہوں میں

•